کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

1950ء

[illegible]

کے

ابتدائی اور وسطی دور

کے

چند اقتباسات

مناجات

من تصنیف منشی محمد اسحاق عفی عنہ - ناوہ پورہ بہرنگیہ

بارالٰہی افقِ عالم پہ محشرستان کیوں بنا / نورِ رحمت کی جگہ یہ دورِ ظلمت کیوں بنا

امن راحت کی ہوس ہی نقشۂ دنیا گھس گیا / گردشِ شمس و قمر میں میرا ارمان لٹ گیا

بحرِ امواج ہی سفینہ بس غواص ہے سب فدا / تختِ طاؤس کی خیرہ گی سو دیتے شہ ہا سب فنا

پیامِ بادِ صبا ہی ہائے یہ تمنا مٹ گیا / کر امیدِ خیر دارین محض عنقا رہ گیا

یہ صحیح ہے کہ اہلِ دنیا کا وہ رشتہ ٹوٹ گیا / یادِ یاں کے ہیر پھیر میں میخانہ عہلت کٹ گیا

شرفِ مخلوق کا تو وعدہ کر ہمارے ساتھ وفا / کیا کریں اس قفس کو ہم نعمتِ طائر کر عطا

رفعت عو عرفاں غنچۂ کو تو نادیہ ہے گیا / فقط عرفانیہ میں ہے نجاتِ دل ربا

ہاں صراطِ مستقیم پہ بس مدینہ علم کو / نہیں پرواہ جسے بابِ علم خود ہو وسیلا

ہم خاکِ پائے چہاردہ معصوم یہ جراثیم و دیا / یا رحیما رفع ہوں یہ بس نہ پاس آلِ عبا

جو دولتِ شاہِ حسینؑ سے کفر و ظلمت مٹ گیا / یا کریما پردہ چاک کر بس ہمارے آنسو کا

لیک صحابہ کہف تو نے حفظ حق میں لے لیا / بار الٰہا کلبِ لیشاں کا تو رتبہ کر عطا

اے اسحاق لاتقنطو فرمانِ اللہ کر ادا
لیک چاہیے اعمال ہر طرح پہ میری ندا

فہرست

قیمت غیر رعایتی ……… قیمت رعایتی پیشگی

پیش لفظ

پریشان خیالات کے اس مجموعے سے کسی عالمانہ بلند نظری یا محققانہ ، پختہ کاری کو تلاش نہ کیجیے۔ ساہا سال کی قومی جدوجہد کے بعد تو نصب العین آپ کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے اور اس کے بعد ہی شیعہ فیڈریشن کے خاتمہ سے عوام میں ایک ہیجان بپا ہوا۔ اس لئے راقم الحروف پر فرض عائد ہوتا ہے کہ قوم کے سامنے اپنی مشکلات مزید وضاحت سے بیان کروں۔ ممکن ہے کہ اس سے کچھ حضرات میرے ساتھ متفق نہ ہوں یا عوام کو ایک کھلی حقیقت سے روشناس کرنے میں اعتراض ہو ان سے میری التماس ہے کہ مجھے کسی کی ذات اقدس سے عناد نہیں نہ مجھے کسی کا دل دکھانا مقصود ہے صرف میرا اعتقاد ہے کہ جہاں لاکھوں کا خیر دارین مراد ہو چند ایک ہستیوں کا مفاد میرے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

نوجوان حضرات ساہا سال سے اپنے مقاصد صاف اور روشن دلائل سے بیان کرتے رہے قوم کو زبان حال سے پکارتے رہے کہ اٹھو! اب وقت بہت بیت چکا ہے اہل بیت اطہار کے جاں نثارو بیدار ہو جاؤ اور موجودہ نازک دور میں جبکہ دنیا میں کمزور قوموں پر دانت تیز کئے جا رہے ہیں تم بھی صف آرا ہو کر اسلام اور وطن کی خدمت کرنے میں مصروف عمل ہو جاؤ۔ دبی ہوئی زبان میں قوم کے اکابرین سے کبھی بار بار ان کی لغزشوں اور موجودہ ضرورتوں سے آگاہ کرتے رہے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

راقم الحروف کو اگر لیڈری کا شوق ہوتا تو فرقہ بندی کی آڑ لیکر حاصل کر سکتا

تھا بلکہ باہر بھی میرے واسطے ایسے مواقع موجود تھے جہاں پر انواع و اقسام مفادوں سے بھی سرفراز ہو سکتا تھا۔ لیکن چند روزہ دنیوی زندگی کی خاطر ذاتی ارتقا پر قومی مفادوں کو قربان کرنا غیر انسانیت کے مترادف ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک انسان اس صورت میں بھی خدمت خلق زیادہ موزوں صورت میں کر سکتا ہے لیکن موجودہ ماحول سے آگے ہی میں ریشم کے کیڑے کی طرح شکنجے کا شکار ہو چکا ہوں۔ اب مزید امتحانات سے گذرنا میرے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن العمل دکھائی دیا۔

اب ان چند دماغی اختراعات سے میری بجز اس کے کچھ خواہش نہیں کہ یا تو قوم کے اکابرین متحدہ محاذ قایم کر کے میدان عمل میں گامزن ہوں اور ان عاجز اور مفلوک الحال لوگوں کو راہِ راست پہ لگا کر خدمت اصلاح کر کے اپنے فرائض سے بری الذمہ ہوں۔ ورنہ عوام الناس کو چاہیئے کہ خود منظم ہو کر آیندہ نسلوں پر جن کے واسطے جان تک قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں رحم کریں۔ تعلیمیافتہ طبقہ سے بھی میں اپیل کرونگا کہ اپنے ذاتی آرام و آسائش کے ساتھ ساتھ اس فرض انسانیت کی طرف بھی توجہ دیں اور مایوسانہ لہجہ کو ترک کر کے پر امید ہوں اسمیں شک نہیں کہ مصیبت تب تک ہی مصیبت ہے جب تک قلیل ہو اور اسے مصیبت سمجھ لیا جائے جب پانی سر سے گزرتا ہے تو ہاتھ پاؤں مارنا بھی بند ہو جاتا ہے۔ یہی حال ہماری قوم کا ہے اُن کو مقدر کے وہم و گمان سے نکال کر دین و دنیا کی فلاح و بہبودی کی طرف لگانا مشکل تو ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔

چونکہ راقم الحروف نے تقریباً بیس سال سے تحریک کشمیر میں کام کر کے اپنے خون سے اُس درخت کی آبیاری کی ہے اس لئے اُس کے معماروں کو بھلے برے سے آگاہ

کرنا میرا فرض ہے۔ آج کل کے اکثر وقائع نویس حضرات کے تحریرات جذبات اور جانبداری کے تحت اناپ شناپ سے لبریز ہوتے ہیں۔ لیکن میں اُن میں سے نہیں۔ زبان دل کی ترجمانی کرنے تو میرا قلم اٹھتا ہے۔ ورنہ خاموشی کو ترجیح دے رہا ہوں۔ گو تقاضائے وقت اجازت نہیں دیتا مگر واقعات کشمیر پر ایک سرسری نظر ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں۔ البتہ ہند اور پاکستان کے حالات پر تبصرہ کرنے سے میں اجتناب ہی کروں گا۔

خاکسار

منشی محمد اسحاق

یکم محرم الحرام سنہ ۱۳۷۰ھ

مطابق

۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کہاں ہے؟

اسلام! اسلام! میں تجھے کہاں ڈھونڈوں۔ کیا ایران کی اُن سر بفلک محلات میں جو بکھنگم پیلس (BUKHINGAM PALACE) اور وائیٹ ہوس (WHITE HOUSE) کے لیے باعثِ رشک ہیں؟ یا ترک کی اُن جواہر نگار عمارتوں میں جہاں اول ترک اور بعد اسلام کے ترانے گائے جا رہے ہیں؟ اسلام! کیا تو "مقدس لڑائیوں" کے اُن میدانوں میں ہے جو سرزمین ہند اور پاکستان میں لڑی جاتی ہیں؟ یا تیرا مقام اُن اسلامی ملکوں کے اندر ہے جہاں وطنیت اور قومیت کے جذبے کے تحت انما المومنین اخوۃ کا سنہری اصول نظر انداز کیا جا رہا ہے؟ پھر کیا میں تجھ کو واجب الاطاعت مجتہدین کے اُن درس گاہوں میں تلاش کروں جہاں طالبعلموں کو مریدوں سے خم کروانے کی تربیت دی جا رہی ہے؟ یا تجھکو اُن خلوت خانوں میں ڈھونڈوں جہاں زاہد رہبانیت کا درس دے رہا ہے؟ پس اے اسلام! کیا تو بیش بہا لباس زیب تن کئے ہوئے سرمایہ داروں کی اُس فضا میں ہے جہاں مخمل کی گدیوں پر قورمے، پلاؤ اور گوشت کباب اڑائے جا رہے ہیں جبکہ خدا کی مخلوق کو گرسنہ برہنہ بستر خاک پہ بچھا بچھونا سے سونا نصیب نہیں ہوتا؟ اسلام! کیا تو سعودی عرب کے اُن خلیفوں میں تو پنہاں نہیں جن کی رو سے رہبروں کی یادگاریں مٹانا فرض ہے؟ کیا میں تجھ کو اُن مرصع و مزین عبادت گاہوں میں تلاش کروں جو ادواتِ تو نہیں بلکہ علماء کے اپنے دیوان خانے ہیں

یا تجھے اُن جلسوں اور مجالس میں ڈھونڈوں جو بحیثیت نوعیت طرز اسلام پر ہیں، لیکن اعمال و کردار کی بنا پر جدا گانہ؟

میں نے ہر طرف نگاہ دوڑائی۔ مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک مگر تیرا پتہ نہیں ملا۔ اسلامی ممالک تو بنیادی طور اپنی مرکزیت کو خیرباد کہکر اہل مغرب کے دست نگر بن چکے ہیں اور افسوس ناک فرقہ بندی میں مبتلا ہیں۔ کوئی شیعہ کہلاتا ہے کوئی سُنی، کوئی وہابی ہے تو کوئی احمدی۔ غرض اہل اسلام کا نام مٹ چکا ہے کہاں وہ خس پوش جھونپڑیاں جن میں رسول عربیؐ اور انکے فاقہ کش جانشین اپنی زندگی کی بیش قیمت ساعتیں گذارتے تھے۔ کہاں مادیات کی افراتفری میں مذہبی آڑ کے تحت یہ سینہ زوری۔

پس اے اسلام! کیا یہ حقیقت نہیں کہ تو آخری بار علی بن محمد سمریؒ کی وفات پر حضرت حجتؑ کی آغوش میں حقیقی مسلمانوں نہیں نہیں مومنین کی تلاش میں در پردہ منتظر ہے جو اس کی تصدیق میں مولودِ کعبہ کا وہ کلام با ثواب پورا اترتا ہے فرماتے ہیں

۱- ان (لوگوں) پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے جب اُن میں قرآن فقط بطور رسم الخط باقی رہیگا۔ اسلام کا نام ہی نام رہ جائیگا۔

۲- اُن کی مساجد بلحاظ تعمیر تو معمور ہوں گی مگر بلحاظ ہدایت خراب و برباد۔ ان میں سکونت کرتے ہیں ان کے تعمیر کرنے والے شریر ترین اہل زمین ہوں گے۔ ان میں سے فتنہ و فساد کا ظہور ہوگا اور بد کرداریاں ان میں گھر کر جائیں گی۔

۳- جو شخص گناہ سے باہر ہوگا اُسے معصیت کی طرف لوٹائیں گے جو گنہگاری سے رہ جائے گا اُسے گنہگاریوں کی طرف ہنکائیں گے۔

خداوند تعالےٰ فرماتا ہے مجھے اپنی ذات کی قسم میں اُس جماعت کو فتنہ و فساد بھیجوں گا کہ حکیم اور دانشمند کو اس حالت میں حیران چھوڑونگا۔

دُنیا کدھر کو جارہی ہے

کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے واقعات کا اعادہ کرتی رہتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ ریفارمر یا مصلح اپنے سے قبل سینکڑوں سال پیدا ہوتا ہے ایک کھلی حقیقت ہے آج سے تیرہ سو برس پہلے حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام، استبداد و حریت اور سرمایہ داری و مزدوری کی جو جنگ لڑی گئی اس کی نظیر تاریخ کے اوراق پر نہیں ملے گی۔ یہ اسی کی شان ہے کہ اقوام عالم مختلف منازل طے کرتے ہوئے آخرالامر بڑی تیز رفتاری سے اُس کی جانب دوڑ رہے ہیں۔

آجکل تو مختلف ازم میدان میں ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں۔ رجعت پسند عناصر جونہی اپنے مفادات خطرے میں دیکھتے ہیں تو فوراً جارحانہ حملہ کا فتوےٰ دیا جاتا ہے اگر غریبوں کی ساری کمائی بھی فنا ہو جائے تو کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یقین رکھیے کہ اس دور کا آخری منزل تیز رفتاری سے طے ہو رہا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب دُنیا سے لوٹ کھسوٹ کرنے والے عناصر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی قبر کھودیں گے۔ اور پھر بھی کوئی ازم کشمکش حیات میں امن و سکون کی زندگی قایم کرنے میں کامیاب ثابت نہ ہوگا صرف یہ میدان ایک روحانی انقلاب کے لئے تیار ہو رہا ہے جو موجودہ کٹھن مسایل کو خوش اسلوبی سے حل کر سکیگا۔ وقت کے مجاھدین نور ایمان سے منور ہو کر ہمرکاب صاحب العصرؑ

میدان جہاد میں اتر پڑیں گے۔ کون اس سے فائدہ اٹھا دیں اور کون نہیں۔ شیعان کشمیر کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب ظہور حجتؑ ہوگا تو شیعان کشمیر اپنے اپنے ملاؤں سے تصدیق کرنے جائیں گے۔ جب تک وقت نکل جائیگا جواب ملیگا۔ ہم تو ڈوبے ہیں غالب مگر تجھے بھی ساتھ ہی لے ڈوبیں گے۔ تو امام باڑوں میں جاکر رونا پیٹنا شروع ہوگا۔

اسلام محض کسی عقیدے کا نام نہیں بلکہ ایک پیغام عمل ہے جو لوگ عمل سے جی چراتے ہیں وہ مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ دنیا کو ایسے مسلمانوں کی ضرورت نہیں جو دن اور رات سجادوں پر بیٹھکر تسبیح گردانیوں میں مشغول ہوں۔ مگر میدان عمل میں کچھ بھی نہ کریں ہم اُس رسولؐ کے پیرو ہیں جو صحابہ کے ساتھ پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودتے تھے مشکل وقت پر مسلمانوں کے کام آتا تھا اور صلح و اطمینان کے وقت اُن کی روحانی اصلاح کرتے تھے ہم اُس علیؑ کے ماننے والے ہیں جو یہودیوں کے باغوں میں مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ مدینہ کے فقیروں اور محتاجوں کی پرورش کرتے تھے اور تبلیغ دین میں بھی مصروف رہتے تھے ہم اُس حسینؑ کے فدائی ہیں، جو بہتر جانیں لے کر جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے لاکھوں کے مقابلے میں اسلام کو بچانے کی خاطر میدان میں اتر پڑے۔ ہم اُس سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؑ کے مرہون منت ہیں جنہوں نے اپنی قلیل عمر میں امور خانہ داری، اطاعت شوہر اور تربیت اولاد کے بہترین نمونے دنیا کے سامنے پیش کیے کہ آج صنفِ نازک ان پر جس قدر ناز کرے کم ہے۔

جب ہم نے بیت المال کی روٹیاں کھانے والے سلاطین کو اپنا مذہبی پیشوا نہ مانا تو آج ہم اُن لوگوں کے سامنے سر کس طرح جھکا سکتے ہیں جنہوں نے قوم کی بے کار جماعتوں

ہیں اضافہ کر دیا ہے اور قوم کے ناخواندہ جہاں بے ہوئے ہیں جب ہم تاج و تخت کی قوت اور تیغ و تیر کی شدت سے مرعوب نہ ہوئے تو آج استبداد پسند سرمایہ داروں یا قدامت پسند راہبوں کا یہ سرمایہ گروہ ہم کو ترقی کے راستوں سے کس طرح ہٹا سکتا ہے جب اسلام عمل کا نام ہے تو ہم صرف ان ہی لوگوں کو اپنا پیشوا سمجھ سکتے ہیں جو اپنے قول کو فعل سے ثابت کریں۔ حضرات! رسولؐ اسلام اور ان کے جانشینوں نے جو کچھ کیا۔ اس پر خود عمل پیرا ہوتے رہے۔ وہ اپنے اسوہ حسنہ کو آنے والی نسلوں کے لئے ایک منارۂ ہدایت چھوڑ گئے۔ اب وہ پیشوایان دین ہیں جو آئے دن اسلام اسلام پکارتے ہیں۔ مزدوری سے نفرت اور سرمایہ داری سے محبت کرنے کے عادی بن گئے ہیں۔ وہ یا تو اسلام کے اصلی مفہوم سے ناواقف ہیں یا جان بوجھ کر اس کو بدنام کرتے ہیں۔ جس طرح نبی زادہ یا امام زادہ ہونا رہنمائے دین بننے کے لئے کافی نہیں۔ اسی طرح ہم کسی کو صرف اس لئے مذہبی پیشوا نہیں مان سکتے کہ وہ خاندان علماء سے تعلق رکھتا ہے یا عراق کی سیر کر آیا ہے۔ ہم کو عمل کی ضرورت ہے اور جہاں اس کو پائیں گے ہمارا سر جھک جائیگا۔

اے برادران ملت! اسلام دراصل عمل کا نام ہے اور ہمارے پیشوایان دین حسن عمل کی کیسی اعلےٰ مثالیں ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ پس اگر ہم پیروان آل محمدؐ کہلاتے ہیں۔ تو دنیا میں عمل کے کارنامے پیش کریں ورنہ تعلیمیں بیکار ہیں۔ امام حسینؑ کے واقعات اس لئے آپ کے سامنے پیش نہیں کئے جاتے ہیں کہ آپ چند آنسو بہا کر اپنے گھر جا بیٹھیں بلکہ اس سے یہ مطلب ہے کہ آپ کے اندر ایثار، قربانی، جرأت، شجاعت، صبر اور استقلال کا ایک جذبہ پیدا ہو۔ سیرت ائمہ کو اس لئے آپ کے سامنے بیان نہیں کیا جاتا کہ آپ جا و بیجا نعرہ صلوٰۃ اڑا کر چپ ہوں بلکہ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان کے اعلےٰ

کیریکٹر سے سبق حاصل کریں۔ چہاردہ معصومینؑ کے واقعاتِ زندگی سے تیرہ سو سال میں آپ نے کیا سبق حاصل کیا۔ اس کے امتحان کا یہ وقت ہے جبکہ کمزور قوموں کے لئے عرصہ حیات تنگ ہو چکا ہے اعلیٰ اسلامی اصولوں سے منہ موڑ کر لوگ مادیات پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ قاعدہ کلی ہے کہ ہر چیز اپنی اصلیت کی طرف رجوع کرتی ہے اس مادیات کی جنگ سے دنیا برباد ہوگی اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوگا۔ بغیر اس کے کہ اصلی انسانیت کی مشعل روشن ہوگی اور تیرہ سو سال قبل کا اسلامی پیغام عمل دنیا کی کایا پلٹ دیگا۔ میدان رزم و بزم میں کون ہوں گے یہ مردہ قوموں کے لئے غور و فکر کا سوال ہے۔

شیعان کشمیر کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ بین الاقوامی صورت حالات کی بنا پر مسئلہ کشمیر صف اول پر ہے۔ وہ کیوں؟ اس کی پر فضا وادیوں کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اس کی سرحدات ہماری اہمیت کا باعث ہیں۔ وہاں کون لوگ آباد ہیں کون اس کے ذمہ وار اور حقدار ہیں وہ ہمارے مفت خور بیچاروں کو کیا معلوم۔ ان کو اپنے حلوے مانڈے سے غرض ہے۔ کاش وہ اپنی لمبی نیند سے بیدار ہوں اور اپنے شاندار ماضی اور موجودہ ذلالت میں تمیز کر سکیں۔ اپنی اہم پوزیشن کا جائزہ لے کر دیرینہ بدخواہیوں کو خیرباد کہیں۔ خداوند باری تعالےٰ کی درگاہ میں ایماندار لوگوں کے واسطے اکثریت اور اقلیت کا سوال نہیں بلکہ اعمال حسنہ میں کامیابی کا راز مضمر ہے اگر اب بھی ذرا تغافل سے کام لیا گیا اور اپنی بوسیدہ گتھیوں کو سلجھایا نہیں۔ تو زمانہ آپ کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیگا۔

اہل دنیا کو دیکھئے کہ سامراجی طاقتیں بھی دبی زبان سے اس اصول کو تسلیم کر رہی ہیں کہ امن عالم کا انحصار امتیازی رواداری کو ترک کرنے میں ہے بلکہ اس عمل پیرا

ہونے کے لئے بھی مجبور ہو رہے ہیں صرف اپنے بیہودہ اقتدار کو قائم رکھنے کی خاطر عوام کی آواز کو دبانے کے لیے مسلح افواج کا آسرا لیا جا رہا ہے۔ دولت فضول اور لغو مصرفوں میں پانی کی طرح بہائی جا رہی ہے کون ان حضرات سے پوچھے کہ اگر اسلامی اصولوں کو ماننے میں تامل ہے یا عالم اسلام اپنے زرین منصوبے منوانے کے قابل نہیں تو دنیا کو خطرات سے محفوظ رکھنے کی خاطر موجودہ رو کا جائزہ لے کر غیر مبہم الفاظ میں آواز کے ساتھ آواز ملا دیں تاکہ ساری دنیا میں ایک نظام قائم ہو۔ یہ سب مشکلات کیوں ہیں، اقتصادی نظام میں نقائص پیدا ہو چکے ہیں۔ دیکھو اسلام کا معاشی نظام۔ حرص و ہوا کے ماتحت غیر جمیل سعی و طلب کا انجام یہ ہو گا کہ حقداروں کے حقوق تلف ہوں گے۔ ایک آدمی دوسرے کے حق کو روکے گا۔ اور وہ مال و دولت بھی حاصل کریگا جس کا اسے حق نہیں۔ اور اس طرح آپس میں جنگ و پیکار چھڑ جائے گی۔ طلب الکل کا انجام فوت الکل ہو گا۔ اور اس طریقہ پر تعمیر معاش میں صورت تخریب مضمر ہو گی۔ کیا آجکل کی پیچیدگیاں اور فتنہ سازیاں اسی کا نتیجہ نہیں کیا یہ ایک درس عبرت نہیں۔ بری طرح کھانے کا انجام سب کچھ کھو دیتا ہے۔ بارگاہ ایزدی سے پیدائش کے عین مطابق روزی عطا ہوتی ہے لیکن ہم خود ہی اسے ایک دوسرے پر غضب کرتے ہیں۔

انجمن اقوام متحدہ تو بس اب اینگلو امریکن بلاک کی ریشہ دوانیوں کا ایک مرکز بن کر رہ گیا ہے مسئلہ کشمیر کا ہمارے حق میں اُن کے ہاتھوں سلجھنا محض ایک خوش فہمی ہے۔ یہی ثالث حضرات اپنے مفادوں کے پیش نظر اس ناسور کو پیدا کرنے والے ہیں اور اس سے زبردست دلچسپی رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں موجودہ نازک حالات میں کسی ایک

کو بھی ناراض نہیں کر سکتے ہیں لہذا ان سے منصفانہ اور غیر جانبدارانہ فیصلہ کی توقع رکھنا عقلمندی نہیں۔ مزید برآں اس کی کمزوریوں کے باعث کوئی بھی فریق فیصلے کو اپنے خلاف دیکھ کر ٹھکرا سکتا ہے۔ بہر حال یہ تو ایک جملہ معترضہ بیچ میں آیا۔ دراصل میرا خطاب اُن مسلمان دوستوں سے ہے جو مسلم بلاک کے خواب دیکھ رہے ہیں وُہ تو حالات کو مذہبی رنگ میں تول رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ آجکل کے اسلامی ممالک کی پوزیشن، اگر وُہ ایسی راہ اختیار کریں نہایت مضبوط ہے مغربی طاقتیں بہت صورتوں میں اُن کے محتاج بھی ہیں لیکن وُہ ان سے کافی مفادات حاصل کرنے کے باوجود بھی انہیں زک پہنچا رہے ہیں اور ایسے طریق کار استعمال میں لاتے رہتے ہیں کہ یہ اِن کے دستِ نگر بنے رہیں لیکن وُہ ہیں کہ آپسمیں رشتہ اتحاد کو مضبوط بنانے کی بجائے سر پھٹول میں معروف ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلامی طریق کا کہیں تو وجود ہی نہیں۔ دنیا دو حصوں میں بٹ گئی ہے ایک طرف رجعت پسند عناصر جو اسوقت زمین کے بڑے حصہ پر مسلح افواج کے بلبوتے پر مسلط ہیں۔ ان میں یہ مسلم ممالک کے فرمانروا بھی شامل ہیں۔ دوسری طرف عوام ہیں جو ترقی پروارانہ نظام کے خواہاں ہیں۔ جنگ جاری ہے اور روز بروز بڑھتی جائیگی۔ دُنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ ختم ہوگا تب کہیں اہل دنیا کو ہوش آئیگی۔ اور خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے حقیقی انسانیت کے روپ میں نئی دنیا بسانے کے سامان مہیا کریگا۔

دنیا میں اس وقت خون کی ندیاں بہائی جا رہی ہیں اور امن عالم کو تباہ کرنے کی سکیموں پر غور و خوض ہو رہا ہے۔ منتہائے مقصد کیا ہے؟ اُن حضرات کے سامنے ایک اہم سوال ہے جو اپنے آپ کو تہذیب کا دلدادہ، بلند نظر اور وسیع القلب

خیال کرتے ہیں۔ فلسطین اور کشمیر وغیرہ کی طرح یہ بھی ان کا ہی پیدا کردہ ایک ناسور ہے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" پالیسی کو ترک کر کے ہی امن وامان قایم ہو سکتا ہے اور ایک نظام قایم ہونے میں مدد مل سکتی ہے جب ہی ان خداوندان عالم کو معلوم ہوگا کہ مزدورانہ زندگی بسر کرنے میں کیا لطف، اور آرام و آسایش کے سامان میسر ہیں جس کا عشر عشیر بھی جواہر نگار کوٹھیوں، فاخرہ لباس اور لذیذ کھانوں میں حاصل نہیں رحمت بھی اپنی میعاد سے گزر جائے تو زحمت بن جاتی ہے۔ ہوا، آگ اور پانی کو دیکھئے کیسی مفید اشیا ہیں لیکن جب ان کا توازن بگڑ جاتا ہے تو یہی بربادی کا باعث بن جاتی ہیں۔ اب خیال فرمایئے جو چیز بجائے خود ناکارہ ہو۔ اس سے کسی خیر کی توقع رکھنا مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے۔

دنیا کے مظلوم، مفلس اور مفلوک الحال عوام کے لئے نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنے افعال و کردار کو بدل کر دل کی گہرائیوں سے مسبب الاسباب کی طرف رجوع کریں اور اعمال حسنہ سے استحصالی عناصر کی طلسمی دیوار کو توڑنے کی کوشش کریں۔ خداوند کریم سے میری دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح راستہ پر گامزن ہونے کی توفیق بخشے۔

چودھویں صدی کے ابتدائی دور کے چند اوراق

از جناب ابوالحامد منشی حسن علی صاحب مرحوم مترجم مصنف مورخ

ناظرین کے معلومات میں اضافہ کرنے اور رقیمہ ہذا کو حق بجانب ثابت کرنے کی خاطر منشی مرحوم کی چھبیس ۲۶ سالہ ڈائری کے چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں تاکہ زمانہ سلف اور دور حاضرہ میں مکمل طور مقابلہ ہو سکے فرماتے ہیں۔

"یہاں کے حالات اس قدر پیچیدہ ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابتری کے وجوہات کئی قسم کے ہیں۔ اول ہندوؤں اور مسلمانوں کا آپسمیں جھگڑا۔ چونکہ ہندو اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے برسر اقتدار ہیں اور سرمایہ دار بھی۔ بدقسمتی سے علاوہ انتقامی جذبہ کے ان کے دماغ میں یہ باطل خیال سمایا ہوا ہے کہ یہ ہندو ریاست ہے اور ان کی زرخرید ہے کچھ اس وجہ سے کہ مسلمان مثل ہندوستان کے یہاں پر بھی باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا یہاں پر کوئی حق نہیں۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی حالت ذرا بوجہ بے علمی اور غربت اس قدر قابل رحم ہے کہ وہ اپنی بھلائی کرنے سے بھی قاصر ہیں

یہاں کی ابتری کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہندوؤں کا بھی آپسمیں چنداں اتفاق نہیں۔ کشمیری پنڈت اور جموی ہندوؤں کے مفاد متضاد ہیں۔ مزید برآں آجکل ہندو آریہ عقیدہ کے ہمخیالوں نے کشمیر میں اپنی ایک انجمن قایم کی ہوئی ہے اور کشمیری ہندو بھی ان کے مقابلے میں منظم ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف خوب مذہبی گفتگو اور جھگڑے شروع ہو گئے ہیں چونکہ مہاراجہ صاحب بھی ایک پکے مذہبی آدمی ہیں اور اس معاملے میں خوب دلچسپی لے رہے ہیں اور خوب ہی ملے دے ہو رہی ہے جس کا اثر نہ صرف

گھروں تک محدود رہا۔ بلکہ سرکاری محکمہ جات میں بھی پھیل گیا اور بجائے ملکی کاموں کے سارے دن اور رات مذہبی چھیڑ چھاڑ میں معروف رہتے ہیں چونکہ دفتروں میں پارٹی بازی آگے سے ہی موجود تھی۔ اب تو مکمل رد عمل حکومت قایم ہوئی ہے۔

عین اس کشمکش کے زمانے میں منجموں نے اپنے خیالات باطلہ کا سکہ عوام پر جمانا شروع کیا ہے اور مختلف افواہوں کے طومار اخباروں میں شایع ہوتے ہیں کہ اس برس میں کم از کم نصف دُنیا ختم ہو جائیگی۔ اور بعضوں نے یہاں تک کہا کہ دنیا کا ہی خاتمہ ہو جائیگا۔ سب لوگ اس کے علاج میں لگے ہوئے ہیں۔ اور جاہل مسلمانوں کو بھی اپنا ہمخیال بنا لیا ہے بہرحال جوں جوں مقررہ وقت قریب آتا گیا لوگوں کا خوف وہراس بڑھتا گیا چنانچہ اس وقت لوگوں میں نہایت اضطراب اور خلفشار پھیلا ہوا ہے اور سب لوگ تقریباً سمجھ رہے ہیں کہ یہ سال دُنیا کی عمر کا آخری برس ہے اور اس خبر کی اس قدر وسیع پیمانہ پر تشہیر ہوئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس خوف سے ہراساں ہو رہے ہیں مکانوں میں، بازاروں میں دوکانوں پر، راستے پر، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے غرض جہاں دیکھو یہی تذکرہ ہو رہا ہے۔ اخبارات میں صفحوں کے صفحے اسی مکالمے سے پُر ہوتے ہیں حتےٰ کہ ہمارے عالیجاہ مہری سرکار والا نے کئی ہزار روپے اس امر پر خرچ کیے ہیں تاکہ یہ بلا کسی طرح ٹل جائے۔ ہندو صراف اور ریا خوار جن کی راہ خدا میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنے جان نکلتی ہے وہ بھی اس وقت دل کھول کر مسکینوں اور غریبوں کو کھلا پلا رہے ہیں طرفہ یہ ہے کہ یہاں کے ہندو مسلمان بہ سبب بے علمی ایک خاص بلا میں گرفتار ہیں مثلاً سنی مسلمان اس بلا میں گرفتار ہیں کہ اگر ان سے کوئی کہے کہ فلاں محلہ میں ایک کتیا سے ہاتھی پیدا ہوا۔ تو یہ لوگ فوراً مان لیں گے۔ اور تمام شہر میں لوگ بلا تحقیق یہ تسلیم کرینگے

کیا مجال کوئی انکار کرے۔ شیعہ مسلمان سعد بخس ساعتوں کی دیکھ بھال میں اسقدر مبتلا ہیں کہ سال میں تین سو دن ان کے لئے کام حرام ہے اور ہندوؤں میں یہ بلا ہے کہ اگر کوئی منجم ان سے ذراسی بات کہے کہ فلاں دن یوں یا توں ہوگا کہ بس دیوانہ را ہوئے بس است۔ بے شک سیاروں کا اجتماع ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ الگ ہو جاتے ہیں۔ جو حضرات علم ہیئت سے واقف ہیں انہیں معلوم ہے کہ یہ اجتماع کس طرح ہوتا ہے اور اس سے کچھ نقصان نہیں ہوا کرتا۔ مگر ہندوستانیوں کو احمق بنانے کا یہ ایک عمدہ نسخہ ہو اسی لئے اسلام نے تنجیم اور سیارہ گاں کے سعد و نحس ہونے پر اعتماد کرنے کو باطل قرار دیا ہے اور حضرت علیؑ نے اس مقصد کی ان الفاظ میں فرمائش کی ہے:-

"المنجم کالکاہن والکاہن کالساحر والساحر کالکافر والکافر فی النار" میں جانتا ہوں کہ یہ ہندوؤں کا عقیدہ بن چکا ہے لیکن اہل اسلام سے میری یہ التماس ہے کہ وہ ایسی واہیات پیشین گوئیوں پر عقیدہ نہ رکھا کریں۔ کیونکہ یہ سراسر احکام اسلام کی خلاف ورزی ہے بلکہ ایسا فعل ترقی کے منازل طے کرنے میں ایک زبردست روکاوٹ ہے۔

تیسری وجہ ابتری کا شیعہ سنی تنازعہ ہے۔ حقیقت میں تو اس کی بنیاد مخدوم صاحبؒ اور میر شمس الدین عراقیؒ کے دور سے پڑ گئی۔ دونوں حضرات بالترتیب سنیوں اور شیعوں کے رہنما تھے پھر طرفہ یہ ہوا کہ حکومت کبھی وقتاً فوقتاً دونوں فرقوں کے ہاتھ میں رہی وہ اس فساد کو بجائے دبانے کے ہوا دیتے رہے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے گئے حتیٰ کہ یکے بعد دیگرے بیرونی طاقتوں نے آدبوچا اور قضیہ کٹ ملاؤں کے ہاتھ میں آگیا جو مذہبی بنیادوں پر دونوں فرقوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح

ان کو جہالت کے گڑھے میں ڈال کر ایک دوسرے سے لڑاتے رہے اور خود حلوے مانڈے میں لگے رہے۔

چوتھی وجہ اس ابتری کا سنیوں کا آپسمیں جھگڑا ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سنی شیعہ تنازعہ فروعی اختلافات کی بنا پر ہے لیکن یہاں پر کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے پھر کیوں جھگڑا ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو ملاؤں نے اپنی اپنی ٹولیاں بنائی ہوئی ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ سنی مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے اور اختلافات کو قایم رکھنے کے واسطے کتب احادیث سے متضاد اور فضول باتیں نکالکر چوگان کا کام لیتے رہتے ہیں۔ مریدوں میں خوب ہی لے دے ہو رہی ہے۔ جھگڑے ہوتے ہیں مگر حکومت دخل اندازی نہیں کرتی۔ معلوم نہیں پس پردہ کون سے ہاتھ کارفرما ہیں لطف یہ ہے کہ دونوں فریق سنی المذہب ہیں۔

اب رہا سوال ان سنی فرقوں کا جو عقایدوں کی بنا پر الگ ہیں میں نے اپنی کتاب میزان تحقیق میں اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے یہاں پر صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ اہل حدیث حضرات کئی پہلوؤں میں احمدیوں کی نسبت حق بجانب ہیں۔ میں نے مرحوم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ساتھ اس بارہ میں خط وکتابت کی جو اپنے روزنامچہ میں درج کر چکا ہوں۔ لیکن آخری خط کا کوئی جواب نہ ملا۔

مجھے کشمیر کے علمائے اسلام کی غیر ذمہ داری پر افسوس ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے مرزا صاحب کے رسالجات کی تردید میں ایک ورق بھی شایع نہیں کیا۔ نہ اپنے وعظوں میں کوئی تردیدی دلیل بیان کی اور بعینہٖ وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو عیسائی مشنریوں کے مقابلے کے وقت کیا تھا۔ صرف مسجدوں کی چار دیواری میں ممبروں کے اوپر عوام

کے سامنے چیخ و پکار کرتے رہتے ہیں کہ یہ کافر ہیں ان کی کتابوں کا مطالعہ نہ کیا کرو یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ ان ورثان اسلام کا جو اپنے آپ کو مذہبی ٹھیکیدار سمجھ بیٹھے ہیں عیسائی مشینریوں کے مقابلے میں بھی راقم الحروف کو ہی غیرتِ اسلام نے جوش دیا تھا۔ تو میزان التحقیق جلد اول میں ان کی تمام دلائل کی تردید کی تھی۔

پانچواں رکن اس ابتری کا حضرات شیعہ ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے بعینہ یہاں پر بھی وہ علماء کے بیچ مکر نے فرقہ قدیم و جدید کی داغ بیل ڈالی۔ ان کی ذہانت اور ثروت کی بنا پر تو حکومت آگے سے ہی ہراساں تھی۔ فوراً ہاتھ ڈال کر ان کے معبد دل کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ جسے انہوں نے بلا چوں وچرا قبول کر کے معنائے وقف کا خون کر دیا۔ ایک دوسرے کے وقف میں جانا ہی ترک کرنا منظور نہ کیا۔ بلکہ ایک دوسرے کے وقف کو بہ نظر حقارت دیکھنے لگے خوب ہی لے دے ہوتی رہی جھگڑے چلتے رہے اور دھیرے دھیرے ماضی کی شاندار روایتیں خاک میں مل گئیں۔ میرا والد مرحوم علی محمد کربلائی فرقہ جدید کا رکن اعظم تھا۔ جس کے رنج رواں جناب آغا سید مہدی اعلی اللہ مقامہٗ تھے جو بہمہ صفات موصوف ہونے کے علاوہ اتحاد بین المسلمین کے بڑے دلدادہ تھے جب جناب آغا صاحب اور میرے والد بزرگوار اس دنیا سے رحلت کر گئے تو میری نظرِ انتخاب جناب مولوی حیدر علی صاحب اعلی اللہ مقامہ پر جا پڑی جو فرقہ قدیم کے رہنما تھے۔ زمانہ نے ساتھ دیا۔ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ جس سے صاحب ممدوح کو میرا بھروسہ ہوا۔ اور پھر آخر عمر تک یکجان دو قالب ہو کر رہے اور جملہ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کو توڑنے اور تعلیم جدید کو رواج دینے کی خاطر جو کچھ تگ و دو میں نے کی اور جن مصائب و آلام سے میں دوچار ہوتا رہا۔ اس کو بخوف طوالت یہاں پر بیان نہیں کرتا۔ اپنی ڈائری

میں بالتفصیل ذکر کر چکا ہوں ۔ صرف یہ کہنا کافی ہے کہ انجام مایوس کن ثابت ہوا - اور مجھے خانہ نشین ہونا پڑا ۔

چھٹی وجہ اس ابتری کا حکومت وقت کا غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے مجموعی حالت پر نظر ڈالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سب سے بڑا سبب شاہی خاندان کی پھوٹ ہے جس کی وجہ سے اعلےٰ حکام سے لے کر ادنےٰ ملازمین تک دو حصوں میں بٹ گئے ہیں فرنگیوں کے بھی ہاتھ اسمیں معلوم ہوتے ہیں کیونکہ وہ سارے راجہ صاحب کے حامی نظر آتے ہیں اور ان کے ہمنوا بیرون ریاست کے اعلےٰ عہدہ داراں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں چونکہ مہاراجہ صاحب سادہ مزاج اور مذہبی آدمی ہیں اور ان کی پارٹی بھی کمزور ہے اس لئے وہ بے دست وپا ہو گئے ہیں ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اوپر سے نیچے تک سارے محکموں پر اہل ہنود قابض ہیں اور رعایا اکثر مسلمان ہیں جو اپنی کمزوریوں کے باعث ان کے تعصبات کا شکار بن رہے ہیں نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بدنظمیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں ملک واہل ملک کی طرف کسی کو دھیان تک نہیں اور سارے محکموں میں اندھیر گردی چھائی ہوئی ہے - آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے خزانہ اکثر خالی رہتا ہے - لوگوں کی بے کاری روز بروز بڑھ رہی ہے ۔ رشوت ستانی کا بازار گرم ہے جس کے اثبات میں چند ایک محکموں کا ذکر یہاں پر کرتا ہوں جن کا تعلق براہ راست پبلک کے ساتھ ہے

(الف) محکمہ مال - ریاست کشمیر کی اکثر آبادی کاشتکاروں پر مشتمل ہے اور یہی محکمہ ان کی قسمت کا مالک ہے اس محکمہ کی عدم توجہی اور بدانتظامی کی وجہ سے تو عوام ابتدائی ایام میں تو زمینوں کو چھوڑ کر دھڑا دھڑ یا شہر میں آکر آباد ہوئے یا بطرف پنجاب بھاگ گئے ۔ اول تو مالیہ زمین اتنا زیادہ ہے کہ زمینداروں کی محنت سب رائیگاں ہو

جاتی ہے۔ دوم روزینہ ملازماں۔ بیگار اور مال شماری فیس وغیرہ ہونے کے علاوہ انواع واقسام کے تنظلمات اور بے عزتی اس پر مزید ہے الغرض ساری کی ساری پونجی حکومت اور اس کے اہلکاروں کے حوالے کرکے خود فاقہ مست ہو جاتے ہیں۔ اس محکمہ کا ایک ادنےٰ ملازم پٹواری ہے جو کاشتکاروں کی نظر میں مشیر مال سے بڑھکر حیثیت رکھتا ہے اور ان کے قضا وقدر کا مالک ہے جو کچھ وہ لکھدیوے اس پر آگے بغیر تحقیقات کے عملدر آمد ہو جاتا ہے۔ لاکھ کوئی چیخے چلائے، کہیں کبھی کوئی شنوائی نہ ہوتی۔ اس لیئے اس کو راضی رکھنا کاشتکاروں کا فرض اولین ہے۔ اور یہ جلادوں کا فرقہ اپنے طاقت کا اس قدر ناجائز استعمال کرتا ہے کہ خدا ہی حافظ ہے۔ دیگر گاؤں کے ذیلدار، نمبردار اور چوکیدار بھی اس محکمہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور یہ فرض ناشناس پبلک کے نمایندے اور ملازم ہوتے ہوئے بھی اپنی ٹھیکہ داری کو برقرار رکھنے کی خاطر ملازموں کے ہمرنگ بن جاتے ہیں۔ ان کا چناؤ اگر زمینداروں کے ہاتھوں میں ہوا کرتا تو کسی حد تک ممکن تھا کہ وہ ان کا بھی کچھ خیال رکھتے لیکن یہ بھی اور ملازموں کی طرح حکومت کے مقرر کردہ ہوتے ہیں اس پر طرفہ یہ ہے کہ تنخواہ بہت معمولی لیتے ہیں جب کسی افسر کو دورہ پر آنا ہوتا ہے تو اس گاؤں میں قیامت ہی آجاتی ہے۔ زن و مرد بلکہ شیرخوار بچے تک معہ مال متاع کے ان درندوں کے ہاتھوں قربان ہو جاتے ہیں۔ اور یہ دورہ کس واسطے ہوتا ہے زمینداروں اور کاشت کاروں کی خاطر نہیں بلکہ اپنے جیب گرم کرنا منتہائے مقصد ہوتا ہے کس کی مجال ہے کہ ان بھیڑیئے نما انسانوں کے سامنے کوئی شکوہ وشکایت کرے جس کی شنوائی کی کوئی امید ہی نہیں ہوتی بلکہ برعکس دادرسی کے شکایت کنندہ کو مزید مصائب کا شکار بن جانے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

(ب) محکمہ جنگلات کو لیجئے۔ اس محکمہ کے ملازموں کے کارنامے محکمہ مال کے ملازموں سے کچھ کم نہیں گو ان کے تعلقات چنداں زمینداروں کے ساتھ نہیں۔ لیکن انہوں نے اپنی حکومت اور آمدنی قائم کرنے کی خاطر کئی طریقے ایجاد کئے ہوئے ہیں جن کو کام میں لاکر ان غریبوں کو اپنا مطیع بنایا ہوا ہے اس محکمہ کا ایک ادنے ملازم گارڈ ہوتا ہے جو کہ پٹواری کے درجہ کا ہے جہاں کسی کے سر پر لکڑی کا گٹھا دیکھا خواہ وہ سوکھا ہی کیوں نہ ہو تو بلائی ناگہانی کی طرح اس پر نازل ہوتا ہے جہاں کسی کے مکان میں شہتیر یا لکڑی کا کوئی اور سامان دیکھا تو فوجداری مقدمات بنانے لگ جاتے ہیں اور مارپیٹ کرکے لوگوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں نیز محکمہ مال کے ملازموں کی طرح ان کو بھی روزینہ اور بیگار مہیا کرنا کاشتکاروں کے فرائض میں شامل ہے اگر بہ فرض محال کسی غریب کو مکان بنانا ہو تو علاوہ قیمت کے مٹھی بھی گرم کرانا پڑتی ہے۔ علاوہ مہینوں لکڑی خراب ہونے کے قیمت گراں پڑ جاتی ہے لہذا ایک غریب آدمی کے واسطے مکان بنانا بہت مشکل امر ہے اس لئے بیچارے غریب کسان مٹی اور گھاس پھوس سے ہی جھونپڑیاں تیار کرتے ہیں۔

(ج) محکمہ سائرہ یعنے کسٹم و چونگی خانہ۔ غربت جس طرح دیہاتوں میں ہوا کرتی ہے اسی طرح یا اس سے قدرے کم و بیش سرینگر کے باشندوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اب ان دونوں علاقہ جات کے غریبوں کا لگاؤ باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی امداد یا تجارت اجناس کی صورت میں ہوا کرتا ہے اور حکومت کی طرف سے پابندی کے ساتھ یہ محکمہ بنایا گیا ہے کہ جو چیزیں دیہات سے شہر کے اندر لائی جائیں ان پر محصول چونگی لگائی جائے یا جو چیزیں بیرون ریاست سے حدود کشمیر میں لائی جائیں ان پر محصول وصول کیا جائے۔ اور محصول اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ سامان خورد و نوش یا دیگر اشیا کی قیمتیں گراں ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ جو

تکالیف ان مقامات پر پیش آتی ہیں وہ بھی ناقابل برداشت ہوتی ہیں دیہات سے غریب عورتیں اور مرد اپنی مختلف پیداوار بیچنے کی غرض سے شہر کی طرف آیا کرتے ہیں اور شہر سے اپنی ضرورت کی دوسری کار آمد اشیا خرید کر لے جاتے ہیں۔ جب چنگی خانہ پر پہنچتے ہیں تو وہاں کے ملازم جان بوجھکر تنگ کرنے کی خاطر ان کا وقت ضایع کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ ان کی مٹھی گرم کریں پھر لازمی محصول وصول کر کے بھی کچھ نہ کچھ جنسی صورت میں حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح شہر سے واپس جاتے وقت گو ان کا کوئی حق نہیں ہوتا پھر بھی تنگ کرتے ہیں۔ بلکہ تلاشیاں بھی لیتے ہیں اور یہ بیچارے غریب اور مجہول لوگ کس مپرسی کی حالت میں مجبور ہو رہے ہیں اور اس طرح رات کو بہت دیر سے گھروں کو پہنچکر فاقہ مستی ہی میں اپنی قسمت پر روتے رہتے ہیں غرض ان کے ہر ایک شعبہ زندگی پر عمال حکومت حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔

(د) محکمہ پبلک ورکس وغیرہ کی کارکردگی ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے ذمہ سڑکیں بنانا۔ آب رسانی کا کام، صحت وصفائی کا انتظام وغیرہ جیسے امور ہیں جو کہ رفاہ عامہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں لیکن یہاں تو اول رقومات ہی اتنی محدود بچت ہو کر آتے ہیں جو کہ یہاں کے ملازموں کی تنخواہوں کو پورا کر کے جو تھوڑا بہت بچت ہو جاتی ہے تو اس کا کچھ حصہ متعلقہ ملازموں اور ٹھیکہ داروں میں بصورت رشوت وغبن بالترتیب بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور جو باقی بچ جاتا ہے اس سے سامان ضرورت خرید کر بیچارے غریب مزدوروں کو آٹے میں نمک مل جاتا ہے اسی وجہ سے سارے کام ادھورے رہ جاتے ہیں جو سال آیندہ تک از سر نو قابل تعمیر ہوتے ہیں اس طرح پر یہ سارا سرمایہ ضایع ہوتا ہے رفاہ عام کا تو یہ حال ہے اب ذرا تو ان کے تعلیمات پر بھی نظر ڈالتے ہیں۔ خواہ مخواہ مختلف

پیشہ وروں اور عام طور سے تمام مکان والوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں کہ تم خلاف ورزیاں کرتے ہو غرض اپنی آمدنی کے ذرائع مختلف ڈھنگوں سے قائم کر رکھے ہیں اور ہر کس و ناکس کو کسی نہ کسی جرم میں ماخوذ کرنے کی دھمکیاں دیکر اپنی مٹھیاں گرم کرلیا کرتے ہیں۔

(۲) محکمہ پولیس۔ گو یہ محکمہ لوگوں کی امداد اور حفاظت کے لئے بنایا گیا ہے لیکن اس محکمہ نے اپنی بدعنوانیوں سے سارے محکموں کو مات کر ڈالا ہے۔ ٹڈی دل کے مانند لوگوں کے مصائب کو بجائے کم کرنے کے دوبالا کر رکھا ہے چوروں اور بدمعاشوں کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ ہے دھنگے فساد اور جھگڑوں کے بانی یہ ہیں۔ شرابیوں اور قمار بازوں کے حامی یہ۔ غرض کشمیر بھر میں جو لوگ بڑے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں یہ اُن کے ممد ہیں اور بیچارے شرفا اور غربا ان کے امداد دست تعدی سے تنگ آچکے ہیں کسی کے گھر میں اگر چوری ہو جاتی ہے تو اول وہ خاموش ہی رہ جاتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ رپورٹ دینے پر مجبور بھی ہو جاتے تو خداوندان پولیس کے پنجہ میں آکر جو کچھ پونجی اس کے پاس باقی بچی ہوتی ہے وہ بھی جاتی رہتی ہے بلکہ بعض اوقات اگر کوئی کسی وجہ سے نذرانہ اور رسوم چڑھانے میں قاصر ہوتا ہے تو مقدمہ کی ہیئت اس وضع سے بدل دی جاتی ہے کہ اُلٹے اس کے ہی ہتھکڑیاں پڑ جاتی ہیں۔ اس طرح سے چوروں اور بدمعاشوں کی حوصلہ افزائی کر کے غریب اور شریف لوگوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔

(۳) محکمہ عدالت یعنے انصاف کا دربار۔ یہ مظلوموں کی داد و فریاد کی آخری منزل ہے لیکن یہاں سے انصاف پانے کے لئے نہ صرف پیسے بلکہ اثر و رسوخ کی بھی ضرورت ہے اہل ہنود تو دونوں صورتوں میں بے باک ہیں لیکن غریب مسلمان یہاں بھی بیچارہ اور بے بس ہے۔ نہ ان کے پاس پیسہ ہے اور نہ ہی جان پہچان۔ اس لئے

ان کو یہاں بھی بحیثیت مدعی عام طور پر رسائی نہیں ہوتی بوجہ مفرو ضیت یا دیگر جرائم کے جب یہاں داخل ہو جاتا ہے تو اندر جانے سے پیشتر ہی عرائض نویس یا وکیل کے چیلے چانٹے زمین اور آسمان کے قلابے ملا کر مکمل طور سے ان کی حجامت کرتے ہیں۔ پھر پھنس گیا تو تڑ پتا کیا والا معاملہ ہو کر اکثر اپنی جائدادوں کو رہن کر کے قرقی کی دستاویر مول لیتے ہیں۔ جہالت تو ان میں آگے سے ہی موجود ہے اس لئے جو قدم ظلم سے آزاد ہونے کی خاطر اٹھایا ہوتا ہے وہی بربادی کا موجب بن جاتا ہے۔

منفصلہ بالا محکمہ جات کا طریقہ کار مد نظر لاتے ہوئے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس احاطۂ حکومت میں شرفاء وغرباء کے لئے کہیں کوئی جگہ نہیں۔ دیانتداری اور ایمانداری کا لوگوں کے دلوں سے مٹانے کا تو حکومت نے ہی بیڑا اٹھا لیا ہے جرائم پیشہ لوگ روز بروز تو بڑھتے جاتے ہیں۔ اصلاحات، علاج و معالجات اور اقتصادیات و ترقیات کے متعلق حکومت کی طرف سے کوئی قدم اٹھایا ہی نہیں جاتا ہے نہ کہیں کوئی اچھا مدرسہ ہے نہ شفا خانہ، نہ کوئی کارخانہ ہے اور نہ کوئی صنعت و حرفت کا آماجگاہ۔ نتیجہ یہ ہوا ہے ملک و اہل ملک مختلف مصائب میں گرفتار ہیں۔ کبھی قحط پڑتی ہے، کبھی سیلاب آتا ہے کہیں وبا ہے اور کہیں دھنگا فساد پھر بھی حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ اراضیات سے تو آگے ہی کاشتکار گھبرا کر دستبردار ہو رہے ہیں مزید برآں کبھی حکم ہوتا ہے کہ زمین سرکاری ملکیت ہے لوگوں کا صرف قبضہ ہے کبھی زمینداروں کو بے دخل کر کے کاشتکاروں کو فوقیت دی جاتی ہے غرض آئے دن نئے نئے احکام نکلتے ہیں اور قسم قسم کے قوانین وضع ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا ہی نہیں جو دل میں آتا ہے کرتے ہیں۔

یہ تو تھے حکومت کا پہلو۔ اب ذرا عوام کے باہمی تعلقات و اخلاص کے نقشے بھی

ملاحظہ فرمائیں کسی موقعہ پر جب کوئی حادثہ ملک میں کسی کو پیش آجاتا ہے تو ایک دوسرے کا نہ صرف تماشا ہی دیکھتے رہتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرنے کے بدلے ان پر لوٹ پڑتے ہیں چنانچہ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں میرے پاس موجود ہیں اور اپنے روزنامچہ میں درج کرتا رہتا ہوں۔ آتش زنی کے موقعوں پر صاحب خانہ کے ساتھ جو بیدردانہ سلوک عوام کی طرف سے روا رکھا جاتا ہے نہایت ہی شرمناک ہے یا سیلاب کے موقعوں پر بھی طبقہ جس سنگدلی اور ظلم کا ثبوت مظلوموں کے ساتھ برت رہے ہیں دنیا میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے ان موقعوں پر حکومت کی طرف سے جو کچھ بھی کم وبیش امداد بصورت نقدی وجنسی غریب عوام کے واسطے ملتا رہا وہ افسران اعلیٰ اور صاحب رسوخ حضرات خورد برد کرتے ہیں اور بیچارے مصیبت زدوں کو روپیہ میں سے چار آنے بھی بڑی مشکل سے ملتا رہا۔ اس کے مقابلے میں راقم الحروف نے مشن کی طرف سے ہزاروں روپیہ بطور امداد مستحق اشخاص میں تقسیم کیے ہیں یہی کہونگا کہ جب تک لوگ اپنی مدد آپ کرنا نہ سیکھیں اور آپس میں ہمدردی کا مادہ پیدا نہ کریں حکومت سے توقع رکھنا فضول ہے۔

ساتواں سبب اس ابتری کا پیروں، پنڈتوں اور فقیروں کا ہجوم ہے جو اس ملک میں حشرات الارض کی طرح پھیل چکے ہیں اور عوامی زندگی کے ہر ایک منزل کو اپنے تابع فرمان بنا رکھا ہے اپنے اغراض ومقاصد کی بنا پر ایسے ایسے قواعد وضوابط مرتب کئے ہیں کہ یہ توہمات لوگوں کے دل ودماغ میں اس پختگی سے سمائے اور ذہن نشین ہو گئے ہیں کہ وہ زندگی کے کسی لمحے کو بھی ان رسومات کو بجالائے بغیر طے نہیں کرسکتے حتی کہ طبیبوں سے حق معالجہ کو بھی چھین لیا ہے اور تعویذوں سے ہی علاج امراض کرتے ہیں غرض کہ زندگی کے ہر شعبے میں ان کی مٹھی گرم کرنا ضروری ہے مرنے کے بعد تو حکم سے خلاصی ہوتی ہے لیکن یہ حضرات پیچھا نہیں چھوڑتے

جبتک کہ خود بھی سپرد خاک نہ ہوں۔

آٹھویں وجہ اس ابتری کا رسومات قبیحہ ہیں یہ مرض تو یہاں کے مسلمانوں اور ہندؤں میں یکساں ہے۔ فرقہ اہل ہنود تو بوجہ ثروت کے بخوبی انجام دے سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے واسطے یہ ایک قہر عظیم ہے۔ مرنے جینے اور شادیوں کی تقریبات کے لئے ایسے ایسے رسومات بد وضع کئے گئے ہیں جن پر سینکڑوں اور ہزاروں روپیہ صرف ہوتے ہیں اور تقریباً ساری کی ساری رقم ضایع ہو جاتی ہے۔ سرمایہ داروں کو تو محسوس نہیں ہوتا لیکن غربا بوجہ شرمندگی کے ان رسومات کے شکار ہو رہے ہیں۔ رواج تو پورا کرنا ہوتا ہے اور اپنی جائیدادوں کو سود خواروں کے پاس رہن رکھکر یہ رسومات بجالا رہے ہیں۔ دعوتوں پر درجنوں قسم کے کھانے پکائے جاتے ہیں جو لطیف و ثقیل ہوتے ہیں وقت کی پابندی سے تو کبھی کسی کو سروکار ہی نہیں ثقیل غذائیں بے وقت کھائی جاتی ہیں۔ مزید اس پر شب بیداری ہوتی ہے تو لوگوں کی صحت خراب ہو رہی ہے ہیں۔ آمدنیاں چونکہ محدود ہوتی ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرضے کسی صورت میں سر سے اترتے ہی نہیں اور جائیدادوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور عزت و آبرو پر بھی پانی پھیر جاتا ہے اور اپنی قیمتی جانیں مختلف امراض کا شکار ہو رہی ہیں عدالت کا احاطہ اکثر مسلمان قرضداروں سے بھرا رہتا ہے۔ کسی کی زمین قرق ہوتی ہے اور کسی کا مکان فروخت ہوتا ہے کسی کی جائیداد ضبط اور نیلام ہو رہی ہے اور ان ہی وجوہات کی بنا پر ایمان فروشی کے مرتکب ہو کر خسر الدنیا والآخرۃ ہو جاتے ہیں۔

نواں رکن ابتری کا یہاں کا طبقاتی سوال ہے یہ بھی ایک بڑی علت ہے جس نے کہ اہل کشمیر کو تباہ و برباد کر رکھا ہے جو لوگ ذرہ بھر بھی برسر اقتدار آجاتے ہیں تو وہ اپنے ہمعصر غریب مزدوروں، پیشہ وروں اور کسانوں کو روندنے سے دریغ نہیں کرتے۔ اول تو بیچارے غریب

مجھولوں کے دماغ میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ ہم انہی کاموں کے واسطے دنیا میں آئے ہوئے ہیں اور ہمارے واسطے ہماری قسمتوں ہی میں یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے جو کچھ کہ ہمیں پیش آرہا ہے اور ہم اپنے طریق زندگی کو اپنے طرز عمل سے نہیں بدل سکتے، اس واسطے انقلابی ذہنیت ان کے دماغوں سے کالعدم ہو چکی ہے امیر لوگ ہر وقت انہیں دبائے رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور غریب طبقہ ان کے ان کارناموں کو حق بجانب قرار دیتا ہے۔ اور اس کا الزام قسمت پر دھرتے ہوئے اسی پر قانع ہے۔ مجھے اکثر بار اس بات سے حیرانی ہوئی کہ امیر لوگ ہندو ہوں یا مسلمان آپسمیں شیر و شکر نظر آتے ہیں لیکن غریب لوگ خواہ کسی فرقہ سے منسوب ہوں آپسمیں اکثر دست و گریبان ہی دکھائی دیتے ہیں یہ سارا قصور ان کی جہالت کا ہے جو بوجہ بے علمی کے ہے ورنہ اگر ان کے دماغوں میں غور و خوض کی صلاحیت ہوتی تو وہ سوچ سکتے کہ یہ مٹھی بھر سرمایہ داروں کی جماعت کس طرح ہماری غفلت اور نااتفاقی سے فایدہ اٹھا کر ہمیں اپنا مطیع اور تابع فرمان بنائے ہوئی ہے۔ ہمارا جسم بھی ویسا ہی ہے جیسا ان کا۔ ہمارے ضروریات بھی وہی ہیں جو ان کے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے گاڑھے پسینے کی کمائی پر اپنا قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور ہم روٹی کے لئے بھی محتاج ہیں۔ اس بالائی طبقہ کو بھی ذرہ بھر شرم محسوس نہیں ہوتی اور نہ بتقاضائے انسانیت ہی ان بیچارے غریبوں پر رحم آتا ہے کہ اگر ہم ان پر مروت و احسان نہ کریں تو کم از کم ان کی محنت کا ہی پورا پھل دیدیا کریں تاکہ وہ اچھی طرح گزراوقات کر سکیں۔ اگر ان کے ساتھ ہمدردی کے لحاظ سے مشفقانہ سلوک نہ کریں تو کم از کم اس نکتہ نگاہ کو سامنے رکھیں کہ وہ ہمارے جاہ و حشم کو برقرار رکھنے والے ہیں جب ان کی صحت خراب اور زندگیاں ختم ہو جائینگی تو ہماری شان و شوکت کو کون قایم و برقرار رکھیگا۔ اب تو نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ غریبی اور

امیری کا سوال ہی نہیں رہا ہے بلکہ خاندانیت کا انحصار بھی سرمایہ داری پر ہی ہے۔ سید و برہمن اگر غریب ہوں تو انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں اور کوئی چوڑا چمار بھی امیر ہو تو اُسے فوقیت دی جارہی ہے۔ سُبحان اللہ یہ ہے حال چودھویں صدی کے انسانوں کا یہ نہیں سمجھتا کہ ان کو انسان کہنے والا کہاں تک حق بجانب ہے۔

دسویں اور سب سے ضروری وجہ اس ابتری کی مُلّا حضرات کا وجود مبارک ہے جن کے قبضۂ قدرت میں مسلمانوں کا جان و مال اور آبرو و ایمان ہے میں پیشتر عرض کر چکا ہوں کہ ان حضرات نے اپنی اپنی پارٹیاں بنائی ہوئی ہیں اور وہ اُن کے تابع فرمان ہیں اور یہ حلقہ بگوش کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ عقیدے کے طور پر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے یہ ان پر ناراض ہو جائیں تو یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ یہ تو عوام کا حال ہے۔ دوسرے اپنے اغراض کے پیش نظر اس مشن کے کارپرداز ہیں جسطرح عوام ان ملاؤں کے اپنے اپنے طرفدار ہیں اسی طرح رؤسا و امرا بھی اپنے اپنے جانب تقسیم ہو چکے ہیں جو کہ ان کے قلمدان وزارت کو سنبھالے بیٹھے ہیں اور ان کے ساتھ ہاں میں ہاں ملائے ہیں گو ان کے یہ حرکات و سکنات غرضمندانہ ہوتے ہیں۔ لیکن کسی عقیدے کی بنا پر نہیں لیکن عوام بیچاروں کو کیا معلوم وہ ان کے افعال و کرتوت کو دیکھ کر اپنے عقیدے میں پر اور بھی سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ کسی امیر یا رئیس کی طرف اگر اس کے مُلّا نے خدانخواستہ قہر آلودہ نگاہ کی تو پھر اس کی خیر نہیں عوام اس کے تنکے اڑا رہے ہیں۔ اور وہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ اسی کارروائی سے مُلّا صاحب کی عزت عوام میں اور بھی بڑھ جاتی ہے یعنے خدا دوست ہونے کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ایک بڑے امیر اور رئیس کی پرواہ نہ کی۔ غرض یہ حضرات مجلسوں میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے جہاں بھی ہوں ایسے ایسے کارنامے دکھاتے ہیں کہ جس سے لوگ اُن

کے دامِ تزویر میں پھنسے رہتے ہیں اور ان کی یہ گدی اس طرح مضبوط و محفوظ رہتی ہے۔ یہاں پر میں آپ کو رئیس اور امیر کا بھی فرق بتائے دیتا ہوں۔ رئیس اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ایک دو پشت سے لگاتار امیر یعنے سرمایہ دار رہا ہو اور اس کے بعد مُلا صاحب کی وزارت عظمےٰ کا حقدار ہے۔ جس طرح مُلا صاحب اپنے عہدے کو وراثت میں حاصل کر لیتا ہے خواہ وہ کتنا ہی نالائق اور علم سے خالی کیوں نہ ہو۔ مُلا بن جاتا ہے اسی طرح رئیس زادہ خواہ کتنا ہی نامعقول اور سرمایہ سے خالی کیوں نہ ہو۔ رئیس بن جاتا ہے اس لئے اُمرا کو ایک دو پُشت یہ درجہ حاصل کرنے کے لیئے وفادارانہ امیدواری کی ضرورت ہوتی ہے جب مُلا صاحب کے اعزاز میں عوام کی طرف سے کبھی دعوت دی جاتی ہے تو ان کا ہمراہ ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہ حضرات جب مجلس کے بالائی طبقہ میں رونق افروز ہوتے ہیں تو اُس وقت کی نمائش دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ صدر دیوار کے عین وسط میں مُلا صاحب کیلئے مسند بچھایا جاتا ہے جو عام فرش سے ذرا اونچا ہوتا ہے۔ اور گرد دائیں بائیں سمتوں میں تکیوں سے پُشت لگائے ہوئے یہ روٗسا و امرا حضرات زنجیر دار بادامی جُبوں اور فرغلوں سے جامہ پوشی کئے ہوئے درجہ بدرجہ بیٹھے ہوتے ہیں۔ بیچارے عوام مجلس کے زیرین طبقہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے مؤدب اور سر خم رہتے ہیں۔ رعب سے مجلس میں سناٹا چھایا ہوتا ہے لیکن مُلا صاحب کے ساتھ گاہ بیگاہ روٗسا و امرا کی سرگوشیاں دیکھنے میں آتی ہیں کبھی کبھی مُلا صاحب کی خشمناک و قہر آلود آواز مجلس میں گونجتی سنائی دیتی ہے جو حاضرین کی طرف سے صرف آمنّا و صدقنا کا جواب لئے ہوئے فضا میں ختم ہو جاتی ہے۔ غرض ایسی من مانی کاروائیاں عمل میں لائی جاتی ہیں جو کہ ایک مہذب انسان کے لئے تازیانہ عبرت ہوا کرتی ہیں کھانے کا بھی آپ اسی سے اندازہ لگا سکتے ہیں اور بعد فراغت طعام غریب داعی کے پاس جو کچھ نقد و جنس ہوتا ہے۔ بعد شرمساری بوقت رخصت مُلا صاحب کے ذاتی "بیت المال" میں ڈال دیتا ہے۔ یہ ہیں

کارنامے ان دعویداران مسندِ رسول اللہ کے۔ نہ کہیں تعلیم ہے نہ بیت المال اور نہ ہی اخلاق حسنہ نہ اصولِ اسلام۔ کہیں خرچ فضولی ہے کہیں بُخل قارون۔ کوئی افلاس کا بندہ اور کوئی فرعون مزاج۔ غرض حقیقی اسلام کا نقشہ اور نام و نشان کہیں نظر نہیں آتا۔ احکام خدا اور رسول کا خاتمہ ہو چکا ہے اور حقوق خدائی کالعدم۔ اگر خدانخواستہ کوئی رقم زکواۃ و فطر وغیرہ مد کی، مُلا صاحبان کے پاس آ جاتی ہے تو اکثر غیر مستحق حضرات اُسے خورد بُرد کرتے ہیں اور گاہ بگاہ بیرون ہند کی درس گاہوں میں بھی کچھ بطور امداد بھیجدی جاتی ہے جہاں سے کہ وہ طلبا تیار ہو کر آ جاتے ہیں جو کہ اہل اسلام اور اسلام کے واسطے بارِ گراں ثابت ہوتے ہیں۔

ان مُلا صاحبان کو اپنے اہل ملک کے احتیاجوں کا کوئی خیال نہیں گویا یہ سب فارغ البالی ہیں اور ان کو کسی طرح کی ضرورت نہیں پس رہا سوال بیرون ہند کی درس گاہوں کا۔ تو وہاں کے اتالیق اور استادوں کا اگر نظام عمدہ ہوتا تو وہ طلبا کو اس قابل بنا دیتے کہ وہ دنیا کے مختلف اطراف و جوانب میں پھیل کر تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دیا کرتے اور ایسی صورت میں اگر مجھے کوئی اعتراض ہوتا تو بے شک میں حق بجانب نہ تھا۔ ان کے مقابلے میں عیسائی مشنریوں کا ملاحظہ کریں کہ وہ لوگ کس دیانتداری اور فراخ دلی سے اپنے اس نظام کو قایم رکھے ہوئے ہیں۔ اور اپنے اس عمل کے جال کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلائے ہوئے ہیں گویا یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک روحانی حکومت سارے دنیا کو اپنے قبضے میں لئے بیٹھی ہے ان کے اس طرز انتظام اور افعال و اقوال کی مطابقت سے ان کے سارے دلایل خواہ وہ کتنے ہی پست اور نامعقول کیوں نہ ہوں فروگذاشت ہو جاتے ہیں اور اسلامی دلائل جو کہ مبنی بر صداقت اور چشمہ آب حیات ہیں غیر ذمہ داریوں اور بدانتظامیوں

~~خرابیوں~~ کی بنا پر غیر مقبول ثابت ہوتے ہیں۔

اس جگہ پر بعض حضرات کا یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ عیسائی مشنریوں کی اپنی حکومت ہے اس لیے وہ زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں مگر میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر اس مٹھی بھر جماعت کو حکومت ملی ہے تو محض اپنے اعمال کی خوبیوں کی وجہ سے! اور اگر ہم نے کھو دی تو اپنی بد اعمالیوں کے سبب سے۔ اس لئے یہ وجوہات قابل تسلیم نہیں اور نہ ہی عقل کے عین موافق ہیں۔ بہر حال اس سے قبل میں عرض کر ہی چکا ہوں کہ کس طرح یہ ہمارے مذہب کے ٹھیکیدار احمدی اور عیسائی مشنریوں کے مقابلے کی تاب نہ لا کر دم دبا کر بھاگ جاتے تھے صرف مسجدوں کی چار دیواریوں میں بغیر دلائل کے سامعین کو آنکھیں بند کرنے کی تلقین کی جاتی رہی مجبوری کی صورت میں راقم الحروف ان کی ریشہ دوانیوں کا سدِ راہ بنا۔

راقم الحروف کو شوق دامنگیر ہوا۔ تو علاوہ مشرقی علوم کے ایک انگریز سے انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ بالعوض اس کو کشمیری زبان سکھائی نتیجے کے طور پر میں نے مغربی لباس پہننا شروع کیا کشمیری زبان کا رسم الخط، لغات اور صرف و نحو بھی تصنیف کیے۔ اصول اسلام کا تو پوری طور سے پابند رہا۔ پھر بھی ملا حضرات مجھ سے بدظن رہے۔ ایک وقت تھا کہ میں اکیلا ہی کشمیری تھا انگریزی زبان میں ماہر تھا۔ اور پھر دھیرے دھیرے اہل ہنود اس طرف راغب ہوئے بڑی محنت و مشقت سے انہوں نے تعلیم حاصل کی اسے میں بخوبی واقف ہوں۔ اس کی ایک عبرتناک اور قابل تحسین مثال یہاں پر درج کرتا ہوں۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ میں مدرسہ کے دفتر میں کام کر رہا تھا کہ چوکیدار نے مجھے ایک پنڈت لڑکے کے متعلق اطلاع دی کہ وہ ہر روز بارہ بجے مدرسہ کے احاطہ سے باہر جاتا ہے چونکہ اتفاقاً

تعلیم کے دوران میں مدرسہ سے باہر جانے پر پابندی عائد تھی۔ اس لئے میں نے چوکیدار کو حکم دیا کہ دوسرے دن مذکورہ طالب علم کے باہر جانے پر مجھے اطلاع دے دے چنانچہ دوسرے دن چوکیدار کے اطلاع دینے پر میں لڑکے کے پیچھے ہولیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گلی میں ایک بوڑھا پنڈت پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے اپنی آستین میں کچھ سوکھے چاول لڑکے کو کھلا رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر ان دونوں نے شرم کے مارے آنکھیں نیچے کرلیں۔ حقیقت حال دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بوڑھا پنڈت اس لڑکے کا باپ ہے۔ غربت کی وجہ سے لڑکا کچھ کھائے پئے بغیر مدرسہ آتا ہے۔ اور بعد میں اس کا باپ گدائی کرکے یہ چاول اس کے واسطے لاتا ہے اس طرح لڑکا اپنی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے اور والدین بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ بہرحال یہ ماجرا سن کر شفقت انسانی نے جوش دیا۔ اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اُن کی تسلی کی۔ باپ کو رخصت کرکے لڑکے کو اپنے ساتھ دفتر میں لایا۔ اور اُس کے واسطے معقول وظیفہ مقرر کرایا۔ کتابیں بھی مُفت دلادیں۔ بلکہ غربا فنڈ میں سے بھی کچھ رقم بطور عطایات دیدی۔ مجھے امید ہے کہ ان کی اس جانکاہ محنت، ہمت اور استقلال کا پھل انہیں ضرور ملیگا۔ لیکن افسوس مسلمانوں نے ذرہ بھر توجہ نہ دی۔ جتنا میں اصرار کرتا رہا۔ اتنا ہی وہ میرے خلاف گند اچھالتے رہے۔ اُن کی غلط رہنمائی ہو رہی ہے۔ خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارے حال پر رحم کرے۔ اور سوچنے سمجھنے کی توفیق بخشے

مجھے اسقدر تعلیم سے دلچسپی تھی کہ جب مشن سکول کی بنیاد ڈالنے میں راقم الحروف نے انگریزوں کی امداد کی۔ تو مہاراجہ رنبیر سنگھ جی سرگباشی نے مجھے بذریعہ پنڈت سورج مٹو بلا کر تنبیہ کی کہ میں انگریزوں کی مدد نہ کروں اور جو بھی ریاست کی ملازمت منظور کروں مجھے مل جائیگی اس وقت تو ان کے رعب کی وجہ سے خاموش رہا۔ لیکن بعد میں ریذیڈنٹ کشمیر کی وساطت

سے معاملہ رفع دفع کرایا۔ اور میں نے مشن سکول کی ملازمت قبول کی۔

گیارھویں اور بارھویں وجوہات یہاں کی ابتری کی صنعت و حرفت اور تجارت کا نامعقول رویہ ہے۔ اب زمانہ کی رنگت دیکھکر مسلم سرمایہ داروں نے اپنے بچوں کو تعلیم دینا شروع کی ہے لیکن غربا کو نہ سمجھ ہے اور نہ ہی کوئی ذریعہ حاصل ہے ابھی لڑکا ان کی بغل سے الگ ہوا ہی چاہتا ہے تو کوئی نہ کوئی ہنر سیکھنے کے لئے کسی پرائیویٹ کارخانے میں بھیجدیا جاتا ہے تاکہ دو چار آنوں کی آمدنی کا ذریعہ قایم ہو۔ ان کارخانوں کے مالک اور کارپرداز ایسے لوگ ہوتے ہیں جو طرح طرح کے برے عادات کے قائل ہوتے ہیں۔ اور یہ بچے ایسے ہی ماحول میں پرورش پاکر بڑے ہوتے ہیں پھر آپ خود ہی خیال فرمائیں کہ ان کے عادات و اطوار کس درجہ پر خراب ہوتے ہوں گے۔ مزید براں خود کارخانہ داروں کو تاجر حضرات کوئی معقول اجرت نہیں دیتے۔ تو وہ ان شاگردوں کو کیا دیں۔ مجبوراً ان حرفتوں میں بے ایمانیاں شروع ہوتی ہیں یا غرض صنعت و حرفت بے علم اور جاہل انسانوں کے ہاتھوں میں ہونے سے روز بروز تنزل کے عمیق گڑھے کی طرف جا رہی ہے۔ یہی حال یہاں کی تجارت کا ہے ضروری اشیاء خورد و نوش کی درآمد و برآمد پنجاب کے اہل ہنود نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اسکی ملائی تو وہ اٹھا لیتے ہیں باقی بچا ہوا دودھ یہاں کے تاجر حضرات کے ہاتھوں میں دیدیتے ہیں آگے وہ بسبب بے علمی اور کم فہمی کے پانی ملا کر فروخت کرتے ہیں۔ ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ بجائے اس بے ایمانی کے اگر اتحاد کر کے تھوڑا منافع اس پر چڑھایا کرتے تو کیا ہی بہتر ہوتا۔ گاہک بھی خوش اور یہ بھی سرخرو ہوتے۔ پس رہا سوال یہاں کی آرائشی تجارت کا۔ گو وہ ابتدا سے ہی یہاں کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے لیکن اس کا بھی بوجہ بے علمی یہی حشر ہوتا ہے۔ منافع بجائے گاہک سے وصول کرنے کے بیچارے غریب مزدوروں اور کاریگروں کی اجرتوں سے ہی پورا کرنے

کی کوشش کی جاتی ہے انہوں نے کبھی تو اپنے گھر سے دینا نہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صنعت و حرفت میں بے ایمانیاں شروع ہو جاتی ہیں جس سے کہ بازاروں میں مال ناپسند ہو کر دونوں فرقوں کا ستیاناس ہو جاتا ہے بس رہے کشمیر کے پنڈت صاحبان! وہ تو دس ہی روپے کی ملازمت کو سرکاری ہو یا پرائیویٹ سب کاموں پر ترجیح دیتے ہیں نہ وہ تجارت میں دخل دیتے ہیں اور نہ ہی ان کو صنعت و حرفت کی طرف کوئی خیال ہے۔ کم تنخواہ کو ہی قبول کر کے دماغی قابلیت سے اندر جا کر اپنی اور مالک کی آمدنی کے مختلف ذرائع پیدا کرتے ہیں وہ بھی خوش اور مالک بھی راضی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے سود و بیاج کا کام شروع کیا ہوا ہے۔ کشمیر میں سارے مسلمان رئیس ہوں یا غریب علی العموم ان کے قرضدار ہوتے ہیں صبح کے وقت ان کے گھروں پر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ کوئی سبزی لئے ہوئے ہے کوئی چاول۔ کسی کے پاس تیل ہے اور کسی کے ہاتھ میں دودھ۔ غرض کوئی چیز ایسی نہیں جو بغیر روپیہ کے ان کو مہیا نہ ہو۔ اب ان قرض لینے کے طریقوں کو بھی ملاحظہ کریں۔ اگر کسی شخص کو پچاس روپیہ قرض دینا منظور ہو۔ تو دو سو روپیہ کا سامان اسے بطور گرو لے رکھتے ہیں جس کے متعلق کوئی تحریر نہیں ہوتی ہے سال بھر کا سود دس روپیہ اسے کاٹ کر صرف چالیس روپیہ اُس کے حوالے کر دیتے ہیں اور پچاس کی دستاویز اس سے لکھوا دیتے ہیں غرض قرض تو کبھی ادا ہوتا نہیں ہے۔ سودخوار کے واسطے آمدنی کا سلسلہ جاری رہتا ہے بلکہ سامان گرو بھی ساتھ ہی جاتا رہتا ہے۔ مزید برآں قرضے کے رعب میں نذر و نیاز رسم و رسوم کے نام سے بھی چڑھاوا ہوتا رہتا ہے۔ آخرالامر عدالت میں اصل قرضہ کا دعوےٰ دائر ہو کر اگر اور کوئی جائداد ہوتی ہے وہ بھی قرق ہو جاتی ہے ورنہ جیل کی چار دیواری کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور اسی طرح یہاں کے مسلمانوں کو اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ صرف پیر صاحبان، واعظ خوانوں اور ذاکرین کی تجارت، ہمچو قسم خطرات

سے بالکل منزہ اور محفوظ ہے۔ پیر صاحبان کی قرآن خوانی اور تعویذوں کے لئے اُجرتیں
مقرر ہیں۔ اسی طرح وعظ خوان بھی بغیر نذر و نیاز کے وعظ نہیں پڑھا کرتے اور نامی ذاکر
حضرات کی مرثیہ خوانی کے لئے بولی دی جاتی ہے جو کوئی زیادہ رقم دے اُسی کے گھر جاتے ہیں
یہ ہیں حالات ہمارے ملک کے جو روزمرہ مشاہدہ میں آتے ہیں کوئی ہمخیال نہیں۔ مجبوراً
قہر درویش برجان درویش کا مصداق بن کر زندگی کے ایام گذار رہا ہوں۔

تحقیق اسلام اور تردید عیسائیت کے دور میں جن واقعات سے مجھے دوچار ہونا
پڑا۔ ان کا ذکر کرنا موجب طوالت ہوگا لیکن محض خدمت اسلام کی غرض سے ایک واقعہ یہاں
پر بیان کر رہا ہوں۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ میں ہدایت المسلمین کو دیکھ رہا تھا کہ ایک اعتراض
سے میرے دل میں کچھ تذبذب اور اشتباہ پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ اسی شک و شبہ میں مجھے نیند
نے غلبہ کیا اور میں سو گیا۔ تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں بہت بھوکا پیاسا ہوں اور فرط گرسنگی
و تشنگی سے ہر طرف دوڑتا پھرتا ہوں۔ تا آنکہ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پر جا پہنچا جہاں سے کچھ
دور ہی میں نے ایک باغ دیکھا جس کے درختوں میں انواع و اقسام کے میوہ جات لگے ہوئے
تھے صاف و شفاف خوشگوار پانی کی لہریں بڑی آب و تاب سے اسمیں بہہ رہی تھیں۔ مگر
ایسا معلوم ہوا کہ اس کے گرد کالی دیوار کھڑی ہے جب میں نزدیک تر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں
کہ وہ دیوار نہیں بلکہ ایک لائن فوج کی باغ کے چاروں طرف کھڑی ہے۔ لوگ ایک قسم کی ٹکٹ
اُن کے افسر کو دکھا کر اندر جاتے ہیں اور جس کا جو جی چاہتا ہے بلا اندیشہ کھاتا پیتا ہے میں نے
بھی بھوک اور پیاس کی شدت کے مارے نزدیک پہنچکر اندر قدم رکھنا چاہا کسی نے پیچھے
سے میرے کوٹ کے دامن کو کھینچکر روک دیا۔ میں نے اپنے روکنے کا سبب اس سے پوچھا
اور بھوک و پیاس کی شدت کو اس پر ظاہر کیا۔ مگر اس نے جواب دیا کہ بغیر ٹکٹ حاصل کرنے

کے اندر داخل ہونے کی کسی کی مجال نہیں پھر میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی ٹکٹ کہاں سے دستیاب ہوگی تو اُس نے ایک طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس جگہ جاؤ اور لے آؤ ٹکٹ غرض میں بہ ہزار زحمت بدقت افتاں وخیزاں اس طرف کو چلا۔ نقاہت سے میرا یہ حال تھا کہ ہر قدم پر میری جان نکلتی تھی۔ بہر کیف جب میں اس مقام پر پہنچا تو کسی نوکر نے مجھے اندر سے ٹکٹ لاکر دی جس پر آیت کلام اللہ مجید کی لکھی ہوئی تھی

من یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین

اور اس باغ میں داخل ہو کر جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر کرنا موجب طوالت ہوگا۔ پھر فجر میں ایک دوست کے جواب سے وہ میرا شک وشبہ دور ہوا۔

شیعانِ کشمیر کا عروج وزوال اور اُسکے اسباب

ناظرین کو ہماری شایع کردہ پیش کش اور اس کتاب کے بالائی حصہ سے واقفیت میں اضافہ ہوا ہوگا لیکن پھر بھی میں اس پر ایک سرسری نظر ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اپنے فرائض سے مکمل طور پر سبکدوش ہو جاؤں۔

شیعانِ کشمیر کا وہ شاندار ماضی کب اور کیسے ختم ہوا۔ ایک دلگداز سانحہ ہے نہ صرف اس لئے کہ اہل اسلام میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ بلکہ اس لئے کہ ملک بیرونی طاقتوں کے پنجہ میں آگر ہم اُن کے غلام بنے۔ اور انواع واقسام مصائب کے شکار ہوئے خوبیاں جو ہم میں موجود تھیں دھیرے دھیرے ختم ہوئیں۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ کسی کو ہمارے ملک کی طرف آنکھ اٹھانے کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی۔ شہنشاہ مغل جیسے طاقتور بادشاہ ارمان لیکر اُلٹے پاؤں بھاگ گئے تھے لیکن پھر وہ وقت بھی آیا۔ کہ بھیڑوں کی طرح ہماری سودا بازی ہونے

لگی۔ ایک خاوند جاتا اور دوسرا آتا رہا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے واقع ہوا۔ اس کا ثبوت آپ کو کلام اللہ مجید سے ملتا ہے۔ وہ ساری خوبیاں اور اعمال حسنہ ہم سے کالعدم ہو چکی تھیں جن کی بنا پر اللہ تعالےٰ نے یہ اقتدار ہمیں عطا کیا تھا حکومت چھن جانے کے بعد بھی ہم سالہا سال مورد عتاب ہوتے رہے جن سے ہماری آبادی پر بھی گہرا اثر پڑا لیکن جب تک تفرقہ کی رسوا کن صورتیں ہم میں پیدا نہ ہوئی تھیں تعلیم تہذیب اور تمدن کی شاندار روایات ہم میں موجود تھیں۔

آج سے تقریباً اسی سال پیشتر علما حضرات کے دو خاندانوں میں اقتدار کی جنگ شروع ہوئی۔ اور رؤسائے وقت نے قضیہ کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ عوام دو ٹولیوں میں بٹ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت وقت نے جو آگے ہی تاڑ میں بیٹھی تھی۔ موقع کو اپنایا اور موجودہ اوقاف ان دونوں جماعتوں میں تقسیم کیے اور ان کے نمایندوں سے مچلکے لکھوائے کہ وہ ایک دوسرے کے امام باڑہ میں نہ جائیں۔ ایک فرقہ کا نام "قدیم" اور دوسرے کا نام "جدید" رکھا گیا۔ اس طرح پر اب نام اسلام کے بعد "شیعہ" بھی ختم ہوا۔

امام باڑہ جڈی بل جو فرقہ قدیم کے حصہ میں آیا مزید پیچیدگیوں کا باعث بنا کیونکہ اس کا متولی فرقہ جدید سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے حکومت کے احکام کے مطابق بیدخل کیا گیا۔ اور یہ حربہ عبدالاغراض اور مخالفوں کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوا آج تک اس مسئلہ نے قوم کی جو بیخ کنی کی وہ حسرتناک بھی ہے اور شرمناک بھی۔ معلوم نہیں کونسی مجبوریاں پیدا ہو چکی تھیں کہ رہنمائے دین آپس میں بغلگیر نہ سہی کم از کم دو میں سے کوئی صاحب تو گوشہ نشین ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ مستقبل میں خاندانی افراد کے حق میں ہوتا رہا۔ اس صورت میں بھی مختلف عنوانوں سے قوم کی رہنمائی ہو سکتی تھی۔ ہمارے سامنے

ائمہ معصومین ع کے زرین اقوال ہی نہیں بلکہ ہر قسم اعمال حسنہ بھی موجود ہیں۔ جو وہ وقتاً فوقتاً انجام دیتے رہے جن کی تقلید ہمارے لیے لازم و ملزوم ہے۔

ہمارے چند بزرگوں نے جو قوم کے بہی خواہ تھے اس معرکہ کو سلجھانے کی حتے الامکان کوشش کی مرحوم نواب فتح علیخان صاحب کی مدد سے انجمن امامیہ کی داغ بیل ڈالدی گئی۔ شہر و دیہات میں مدارس کا جال بچھا دیا گیا۔ آمدنی کے کئی سنہری قواعد مرتب کئے گئے لیکن پس پردہ جو تار ہل رہے تھے اس کو درہم برہم کرنے میں کامیاب ہوئے اور یہ انجمن مرحوم آغا سید حسین شاہ صاحب جلالی کی ذاتی ملکیت تصور ہونے لگی۔ اور ایک مردہ لاش کی صورت میں قوم کی نمایندگی کرتا رہا۔ جلالی صاحب کی ذاتی توجہ سے ایک مڈل سکول جو بعد میں ہائی سکول کے درجہ تک پہنچا۔ قوم کے دور افتادہ نونہالوں کی آبیاری کرتا رہا۔ ملک میں شیعہ تعلیم یافتوں کی بھی اب کسی قدر وسعت ہو چکی تھی۔ وہ میدان عمل میں کود پڑے۔ اور "انجمن بہبودی شیعان کشمیر" کی داغ بیل ڈالدی جس کے مربی اور روح رواں جناب حکیم غلام صفدر صاحب تھے۔ انجمن سازی ان دنوں حکومت کی جانب سے ممنوع تھی لیکن اس کی اجازت، سوشل ریفارم کی خاطر لی گئی۔ اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط معقول اور موزون تھے۔ نونہالان قوم نے بڑی دلچسپی اور وسعت قلبی سے اس کو چند سال اس قدر وسعت دی کہ سری نگر کے تمام محلہ جات میں بلا امتیاز فرقہ بندی ممبران بھرتی ہوئے۔ ایک سالانہ اجلاس بھی عمل میں آیا۔ لیکن بد قسمتی سے چند ممبران کے اصرار پر علماء حضرات کی طرف رخ کیا گیا۔ امام باڑہ جڈی بل کا غصب و مباح والا قضیہ سامنے آیا۔ نتیجہ کے طور پر انجمن کی کاروائی دھیرے دھیرے مدہم پڑ گئی اور پھر تحریک کشمیر کے اثر نے اسے پورے طور صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تحریک کشمیر کا پہلا دور اور مسلم کانفرنس کا انعقاد

تین سو سالہ غلامی کے بعد اُس کے خلاف جو آگ وقتاً فوقتاً مختلف صورتوں میں سلگتی رہی۔ اب تعلیم یافتہ طبقہ کی ذہانت اور ہمت و استقلال سے ساری ریاست میں شعلہ زن ہوئی۔ چونکہ تحریک کے بانیوں نے تقریباً سارے سربرآوردہ حضرات اور اکابرین قوم کو ایک مرکز پہ لاکر حلف نامہ کا پابند کیا ہوا تھا۔ اور تمام فرقوں کی نمایندگی بھی پوری کرائی تھی۔ شیعہ، سنی، احمدی اور وہابی ایک ہی صف میں نماز پڑھنے لگے تھے یہ کیسا دلربا منظر تھا دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ بہرحال کچھ قلیل مدت تو یہ روح فرسا نظام قایم رہا۔ برا ہو اس نفس امارہ کا۔ اور غارت ہو اس عارضی اقتدار کا۔ قائدین ملت آہستہ آہستہ میدان سے منہ موڑنے لگے مگر تحریک تو اب اس دور سے نکل چکی تھی جدھر اسے کسی خاص زک پہنچنے کا احتمال تھا۔ اس لئے ان کی مخالفت بجز اس کے کچھ بگاڑ پیدا نہ کرسکی کہ جدوجہد کا عرصہ کچھ لمبا ہوا لیکن ساتھ ہی دو صورتوں میں مُفید ثابت ہوئی۔ ایک تو عوام کی جدوجہد کا جذبہ دوبالا ہوا۔ اور دوسرے یہ اکابرین ملت قوم کے سامنے اپنے برے کرتوتوں کے باعث ننگے ہوئے ؎

ہاتھ میں لانا مسلمان کا بہت آسان ہے — ذرا اگر ملتا ہو تو ایمان بھی قربان ہو

شیعان کشمیر سے اس پھوٹ کا کیا ردعمل ہوا۔ یہ ایک قابل غور مسئلہ ہے قدیم وجدید فرقوں کے دونوں رہنما جو ابھی تک دور سے جائزہ لینے میں مصروف تھے فوراً موقعہ کو غنیمت جان کر باہمی مخالفت کو عارضی طور خیرباد کہہ کے ایک پلیٹ فارم پر

آئے - اور حکومت کے سامنے "جداگانہ" کا مضحکہ خیز مطالبہ پیش کیا اور اس طرح اپنے آپ کو تحریک کے اثر سے بچانے کی خاطر مخالفوں کی آواز کے ساتھ آواز ملائی۔ ہم چند نوجوانوں نے ان کے اس مطالبے کی مذمت کی۔ اور اس کے چند نقائص ان پر واضح کیئے۔ اول یہ کہ اس مطالبہ سے اہل اسلام کی یکجہتی اور اتحاد پر شدید طور برا اثر پڑتا ہے۔ اور احکام خدا اور رسولؐ اور ائمہؑ طاہرین سے ایک کھلی بغاوت ہے دوم آپ تاریخ عالم پر نظر ڈالیں اور بغور مطالعہ کریں کہ ہمچو قسم مضحکہ خیز مطالبہ نہ کہیں پیش ہوا ہے - اور نہ کہیں اس پر عملدرآمد ہی کیا گیا ہے۔ سوم یہ مسلمہ امر ہے کہ مستقبل قریب میں یہاں کی حکومت اکثریت کے ہاتھ میں آجاتی ہے ان کی نظر میں مہاراجہ کے دیرینہ قوانین کا کوئی احترام نہیں ہوگا تو اس فرسودہ قانون کو وہ کہاں جائز قرار دیں گے۔ چہارم یہ کہ جداگانہ کی صورت میں ہم نے اکثریت کے حقوق سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ قابلیت شرط ہے کہ ہم سب سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ لہذا غیر مہذب طریقوں سے اپنے وقت اور طاقت کو صرف کرنا دانشمندی نہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ جہاں ہم حکومت وقت سے اپنے حقوق کی بازیابی کی خاطر جدوجہد جاری رکھیں گے۔ آپ بھی اپنا فرض اس طرح پورا کریں کہ قوم روحانی، جسمانی، تعلیمی اور اقتصادی طور اس منصب کو سنبھالنے کے لائق ہو۔ لیکن ان کا یہ اتحاد اور جوش و خروش محض اپنے ذاتی اقتدار کو اس ناگہانی آفت سے بچانے تک محدود تھا۔ اور یہ حربہ عوام الناس کے رجحانات کو تبدیل کرنے کے واسطے تیر بہدف ثابت ہوا۔ الغرض ہم نے ترقی پسند عناصر کو آغا سید حسین شاہ صاحب جلالی کی قیادت میں اکٹھے کیا۔ اور بیک وقت دو محاذوں پر لڑتے رہے۔ یعنے ایک طرف سے حکومت وقت کے خلاف اور دوسری

جانب اپنی قوم کے رجعت پسند عناصر کے ساتھ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مطالبہ جداگانہ ختم ہوا۔ اور فرقہ وارانہ حضرات حسب دستور اپنی اپنی ٹولی سنبھالکر گھر کی چار دیواری میں اطمینان سے بیٹھ گئے۔

تحریک کشمیر کے قائدین نے ابتدائی منازل طے کرکے ۱۹۳۲ء میں آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔ اور اس طرح قوم کے بکھرے ہوئے دلوں کو ایک تنظیم میں منظم کیا۔ جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب پہلے صدر منتخب ہوئے۔ قوم کیطرف سے اس کی بے لوث قربانیوں کے صلہ میں اس کو "شیر کشمیر" کا خطاب ملا۔ اور اسقدر ہر دلعزیز ہوئے کہ عوام کا ہجوم ہر لمحہ اس کے گرد لگا رہتا تھا۔ اور عقیدت کے پھول نچھاور کر رہے تھے۔ مولوی یوسف شاہ صاحب کا اثر و رسوخ حلقہ راجوری کدل میں ہی خاص طور محدود رہا۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ نمایندگان میں سے صرف جلالی صاحب ہی ایک ایسی شخصیت تھی جو اپنے عہد پر جناب شیخ صاحب کے ساتھ پورے اترے۔

شیعان کشمیر کے دو فرقے ایک دوسرے کے ساتھ سرپھٹول میں مصروف تھے حتیٰ کہ ہلال کے ہیر پھیر میں عاشورہ کا یوم متبرک بھی باری باری دو دن منایا گیا۔ اور عید الفطر کی تحقیق کا بھی ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے سے

ایک واعظ دوسرے کا وعظ سن سکتا نہیں ایک مسجد میں ہی ساتھ یہ دیکھا نہیں
حیف اسمیں ہا نہیں ہیں یہ موحد متحد ہے دلوں میں کشمکش کیسا تھے خود رائی و ضد

ہم نے عوام کے رجحان طبع کو مدنظر رکھتے ہوئے آغا شیخ عبد العلی صاحب کو وعظ خوانی کے واسطے مجبور کیا اور ہفتہ وار بروز جمعہ ہر محلہ میں باری باری مجالس منعقد کرتے

رہے۔ صاحب ممدوح علم کے لحاظ سے بہت فائق ہیں۔ لیکن نمبرداری کی سرٹیفکیٹ سے محروم۔ بہرحال دھیرے دھیرے ان کی خصوصی ذہانت اور علمی جوہر کا عام چرچا ہوا۔ اور لوگ جوق در جوق شامل مجلس ہونے لگے حتیٰ کہ ہمارے ایک رفیق کار نے ان کو نماز جمعہ کی ترغیب بھی دی۔ قوم کے نام نہاد رہنما تو اس کو کڑی نگاہ سے دیکھتے ہی تھے۔ کہ ایک بہانہ مل گیا اور دوسری بار اس مشترکہ دشمن کو ختم کرنے کی خاطر متفق ہو گئے اور اس کے خلاف اعتراضات کے سامان پیدا کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام آہستہ آہستہ مجالس میں شرکت سے اجتناب کرنے لگے اور شیخ صاحب بھی اپنے گوشہ عاطفیت میں جا کر لاحول ولا پڑھنے میں مصروف ہوئے اور پھر کبھی باہر نکلنے کا نام نہیں لیا۔ جان بچی لاکھوں پائے ملاجی اپنے گھر کو آئے۔

اسی عہد جہد کے دور میں فرقہ قدیم نے ایک انجمن کی داغ بیل ڈالدی جس کا نام "آل کشمیر شیعہ ایسوسی ایشن" رکھا گیا۔ جناب مولوی محمد جواد صاحب قبلہ اس کے سرپرست بنے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ "انجمن بہبودی شیعان کشمیر" کے چند خاص اراکین اس فرقہ وارانہ انجمن کے کرتا دھرتا تھے۔ فرقہ جدید والوں نے بھی مقابلہ میں ایک انجمن بنائی جس کا نام انجمن موسوی رکھا۔ یادش بخیر جناب حکیم سید محمد شاہ صاحب اس فرقہ وارانہ انجمن کے بڑے دلدادہ تھے اور ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ یہاں پر یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گو لوگوں کی اکثریت جناب آغا صاحب بڈگام کی مطیع ہے لیکن قدرے ذی ہوش افراد فرقہ قدیم سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے فرقہ جدید اس انجمن کے ذریعہ نہ کوئی کام کر سکا اور نہ ہی زیادہ دیر تک قائم رکھ سکا۔ اس کے برعکس فرقہ قدیم کی شیعہ ایسوسی ایشن نیم سرکاری حیثیت حاصل

کر کے غیر ذمہ دارانہ حکومت کی نظروں میں شیعوں کی نمایندہ جماعت تصور ہونے لگی اس کے عہدہ داروں نے قوم کے واسطے کوئی بھی تعمیری کام سرانجام نہیں دیا۔ بلکہ تخریبی کاروائیاں انجام دینے میں شرمناک حربے استعمال کیے گیے۔ تحریک حریت کے حامی سرکاری ملازمین کے خلاف شکایت کرنے میں پیش پیش رہے اور غریب عوام کے خلاف مقدمات دائر کرا کے ان کا عرصۂ حیات پولیس کے ذریعہ تنگ کرایا۔ البتہ اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی کسر باقی نہ چھوڑی۔ دربار نشینی کے علاوہ وفاداری کے صلہ میں اسمبلی کی ایک نامزد نشست بھی حاصل کر لی۔ حکومت کی امداد سے امام باڑہ جڈی بل کی تولیت باردوم غصب کرلی۔ اور جلوس عاشورہ پر قبضہ جمانے کی خاطر ایک سال گاسی یار جڈی بل کے موڑ پر جہاں مولوی صاحب خود رومال سے اشارہ فرما رہے تھے ایسوسی ایشن والوں نے جلوس سے علیحدگی اختیار کر کے بائیں جانب امام باڑہ کا رخ کیا۔ راقم الحروف بھی موقع پر موجود تھا۔ وہ دردناک اور افسوسناک منظر دیکھنے میں آیا جس کا ذکر ہی نہ کیا جائے تو اچھا ہے۔ علم شریفوں کے ٹکرے ہوئے اور دلدل کے چھاتے کو بھی چھیننے سے گریز نہ کیا گیا۔ دوسرے سال دونوں جلوس چند قدموں کے فاصلہ پر پولیس کے پہرہ میں نچہ بل سے جڈی بل پہنچ گئے۔ فرقہ جدید کا جلوس جس سے آغا صاحب کے معتقدین جڈی بل سے حسن آباد لیتے تھے حسب دستور علی الصباح ختم ہوتا رہا۔ ہر قسم تشتت و انتشار سے اپنے فرقہ کو بچانے کی تدابیر آغا صاحب بڈگام ابتدا سے ہی اختیار کیے۔ اس سلسلہ میں عوام کو تعلیم کے زیور سے بے بہرہ رکھنے کے اقدامات عمل میں لائے۔ حتی اکہ حکومت کو بھی بڈگام میں درسگاہ قایم کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ ان کی اس بے علمی، جہالت اور یک جہتی کی ایک زندہ مثال علاقہ میر بحری کا وہ شرمناک واقعہ ہے جبکہ اس فرقہ کے لوگوں نے

سلطان محلہ کے لوگوں پر جو فرقہ قدیم سے تعلق رکھتے ہیں حملہ کر کے ایسی مکروہ اور ناشائستہ حرکات عمل میں لائیں۔ جن کی مثال شاذ و نادر ہی مل سکتی ہے۔ اور زیادہ افسوس اسبات کا ہے کہ ان کے مقتدر رہنما حضرات مع جملہ معتقدین کے مجرموں کو سزا سے بچانے کی خاطر کمربستہ ہوئے اور اس طرح دونوں فرقوں کے درمیان خوب لے دے ہوئی۔ اس قسم کے افسوسناک صورت حالات کے پیش نظر روز عاشورہ کے موقعہ پر ایک پولیس افسر نے اپنے ماتحت سے کیا خوب جواب دیا۔ جب کہ اس نے گرفتاریوں کے لئے اجازت طلب کی تھی فرمایا "یہ بیچارے سال بھر کی خفتگی کے بعد سینہ کوبی کو کے پھر اگلے سال تک محو خواب ہوں گے اس لئے ان سے چھیڑنا بے کار ہے"

یہاں پر میں حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے اس کلام باصواب کا کچھ حصہ ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں جو انہوں نے حضرت کمیل رحؒ کے ساتھ ایک مقام پر فرمایا ہے۔ امیر المومنینؑ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا "اے کمیل رحؒ یہاں علم کا ایک خزانہ موجود ہے۔ کاش اس بار علم کو اٹھانے والے مجھے مل جاتے تو پھر تم دیکھتے کہ میں کس طرح علم پھیلاتا ہوں۔ سارے دنیا کو دیکھ ڈالا۔ مگر اس بار علم کو اٹھانے والا کوئی نہیں ملا۔ ہاں ملا بھی تو ایسا آدمی جو کہ چالاک اور ہوشیار تو ہے مگر ناقابل اعتبار۔ اس نے دین کو حصول دنیا کے لئے آلۂ کار بنا رکھا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے ذریعہ اس کے بندوں پر اور اس کی نشانیوں کے مدد سے اس کے دوستوں پر غلبہ حاصل کرنے کا خواہشمند ہے مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا شخص ملتا ہے جو مال و زر، دولت و ثروت اور عقل فہم کا صرف یہ استعمال جانتا ہے کہ ایسے ذریعہ سے غریبوں کو ذلیل اور محتاجوں کو غلام بنائے اور خود ان پر حکمرانی کرے۔ یا ایسا شخص ملتا ہے جو حاملانِ حق کا اندھا دھند

مقلد ہے۔ ذاتی عقل سے بے بہرہ ہے (باریکیوں کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا) ذرا سی بات کی وجہ سے اس کے دل میں شک و شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اے کمیل ان دونوں میں سے کوئی بھی میرے خزانۂ علم کا بار سنبھالنے کے لائق نہیں۔ اب ایک اور آدمی ملتا ہے جو لذتوں پر مرنے والا اور خواہشات کے دام میں آسانی سے آنے والا ہے یا مال و زر کو جمع کرنے کا شائق ہے۔ یہ دونوں بھی دین کے مقتدی اور حاکم بننے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ یہ تقریباً چرنے والے جانوروں کے مانند ہیں۔ اے کمیل ؓ۔ اس طرح علم رفتہ رفتہ اپنا بار سنبھالنے والوں کے ساتھ ہی ساتھ فنا ہو رہا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ زمین ایسی ہستی سے خالی نہیں رہتی جو نشانیوں کے ساتھ خدا کی راہ میں کھڑا ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ ظاہر ہو۔ مشہور ہو۔ یا خوف کی حالت میں چھپا ہوا ہو تاکہ خدا کی حجتیں اور دلیلیں باطل نہ ہو جائیں"

یہ تو ہوئی حقیقت اس زمانہ کی۔ اب برادرانہ ملت اسی روشنی میں موجودہ دور کا اندازہ لگائیں۔ اور میں دوسرے پہلو یعنی عبادت کے متعلق بھی کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔ نماز اور عبادت کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔ دیکھتے نہیں ہو! حضرت انسان کے نوکروں اور غلاموں کا طرز عمل کیا ہوتا ہے۔ وہ صبح اپنے آقا کے سامنے آتے ہیں تو جھک کر سلام کرتے ہیں۔ پھر اپنے فرائض منصبی میں مشغول ہوتے ہیں۔ دن بھر میں کسی وقت پھر تھوڑی دیر کے لئے آقا کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ شام کو چلتے وقت سلام کر کے رخصت حاصل کرتے ہیں۔ نماز بمنزلہ سلام ہے۔ اور عبادت سے مراد اس کے وہ فرائض ہیں جن کو ادا کرنے کے لئے وہ دنیا میں آیا ہے۔ کیا بدتمیز ہے وہ نوکر جو آقا کا کام دل لگا کر کرے مگر اس کے سلام کو کسی وقت حاضر نہ کرے اور کس قدر نکما ہے وہ ملازم جو سارے دن صرف سلام

سلام کرتا رہا ہے۔ اور فرائض منصبی کو ہاتھ نہ لگائے۔ خدا فرماتا ہے۔ ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون (ہم نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ ہماری بندگی کریں) ہماری غلامی میں رہیں۔ ہمارے نوکر بن کر رہیں۔ یہ صحیح ہے کہ نماز بھی عبادت میں داخل ہے مگر صرف نماز کا ہی نام عبادت نہیں ہے۔ وہ لوگ جو صبح سے شام اور شام سے صبح تک تسبیح گردانی کرتے ہیں جو چند سورتیں یا چند دعائیں پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں۔ ہم نے عبادت کا حق ادا کر دیا۔ غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں وہ تو در اصل اس نکمے نوکر کی طرح ہیں جو صرف سلام سلام کرتا ہے۔ اور آقا کا کچھ کام کاج نہ کرے۔ اسی طرح وہ لوگ جو انسانی فرائض تو بخیر و خوبی انجام دیتے ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے وہ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کوئی آقا اپنے ایسے نوکر سے خوش نہیں رہ سکتا جو اس کے دربار میں آنا کسرِ شان سمجھتا ہو یا ان کو سلام کے قابل ہی خیال نہ کرے۔

علم اور عبادت، دونوں کا خاکہ آپ کے سامنے ہے کون اس سے مستفید ہیں اور کون عمل پیرا۔ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔

تحریک کشمیر دوسرا دور اور نیشنل کانفرنس کا قیام

اس دور میں قائدین تحریک نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا۔ اور غیر مسلموں کے واسطے اس کے دروازے کھلے چھوڑے۔ یوں تو دورِ اول میں ہی اس کے حرکات و سکنات رونما ہوئے تھے لیکن ۱۹۳۸ء کی تحریک کے باعث اس کو عملی جامہ پہنا نہ سکے۔ چنانچہ اس تحریک میں غیر مسلموں نے بھی جیل یاترا کی۔

پیش ازیں کہ میں اس انقلابی دور بدل کے وجوہ بیان کروں میں اپنی ایک ضروری

سرگذشت سنانا چاہتا ہوں۔ راقم الحروف جب شیعان کشمیر کی اصلاح سے جزوی طور مایوس

ہوا۔ تو اس محاذ سے دستبردار ہو کر اب صرف تحریک کشمیر کے ساتھ ہی اپنی ساری ہمدردیاں

وقف کردیں۔ اس طرح میں نے فرقہ شیعہ کو مزید انتشار سے بچانے کی کوشش کی کیونکہ میرا

یقین ہے اور ہر مومن کو ہونا چاہیئے کہ اگر چہاردہ معصومین ع کے اسوۂ حسنہ پر ایک فیصدی بھی

عمل کیا جائے ضرور نتیجہ نیک برآمد ہوگا۔ آپ آگے چل کر دیکھیں گے کہ لوگوں نے مجھے دم لینے

کی فرصت نہ دی اور میدان میں آنے کے لئے مجبور کر دیا۔

علیحدگی کے بعد میں نے ایک گمنام صورت میں تحریک کے ساتھ اس قدر وابستگی

حاصل کی کہ صف اول میں مناسب جگہ سنبھال لی۔ اور مذکورہ صدر پکڑ دھکڑ میں نظربند بھی کیا

گیا میرے دوکان واقع امیرا کدل نے ایک صدر مقام کی حیثیت اختیار کر لی۔ جہاں سارا

دن سیاسی چہل پہل دکھائی دیتی تھی لیڈران قوم بھی تک جیلوں میں محبوس تھے میں نے ہمدوش خواجہ

حبیب اللہ صاحب زرگر، خواجہ محمد عبداللہ صاحب لون اور خواجہ عبدالاحد صاحب بزہ

تحریک کو چلایا۔ بلکہ اسمبلی کے ضمنی انتخابات میں بھی سو فیصدی کامیابی حاصل کی۔

عالمگیر جنگ کے دوران میں کوئی خاص واقع عمل میں نہ آیا جس کا تذکرہ کیا جائے

صرف یہ کہنا باقی ہے کہ کانفرنس میں یہ سیاسی تبدیلی کن وجوہ کی بنا پر عمل میں لائی گئی اور تعلیمیافتہ

طبقہ کیوں ناراض رہا۔ اور ان کی رضامندی کب اور کیسے ہوئی۔

حضرات! غریب کسانوں اور مزدوروں نے قربانی دی تو مسلم کانفرنس وجود میں

آئی۔ اب تیس لاکھ مسلمانوں کی بہبودی کا مسئلہ سامنے تھا نہ کہ چند تعلیمیافتوں کی ملازمت

کا۔ اور پھر مزہ یہ کہ یہی حضرات کرسی نشین ہو کر مخالف کے صفوں کو استوار بنا رہے تھے۔

مسئلہ ملازمت کے بغیر جملہ شکایات مشترکہ نوعیت کی تھیں۔ اس لئے قائدین کانفرنس نے اپنے

بلند نظریہ اور وسعت قلبی کا ثبوت دے کر اسے ظالم و مظلوم کی جنگ قرار دیا۔ اور نیشنل کانفرنس کے تحت ذمہ وار حکومت کا مطالبہ کیا۔ مسلمانوں کی جو تھوڑی سی جماعت آگے ہی الگ ہو چکی تھی انہوں نے چودھری غلام عباس صاحب کا وہ پرانا جامہ پہن لیا جو انہوں نے تائیدی تقریر سے اُتار دیا تھا۔ اس تبدیلی سے ممکن ہے کہ رُوحانیت کے آئینہ میں کوئی نقصان بھی ہوا ہو۔ لیکن ایک فایدہ ضرور ہوا کہ اقلیت جو حربے اکثریت کے خلاف استعمال کر رہی تھی جو دُنیا اور اہل دُنیا کے سامنے بدنامی کے باعث تھے وہ بیکار ہو گئے۔ اور اُن کا ناطقہ بند ہوا۔ یہ اعتراض کہ غیر مسلم برائے نام شامل ہوئے بیہودہ ہے۔ اکثریت کو اُس کی چنداں ضرورت نہیں ہوا کرتی۔

تحریک کا تیسرا دور اور "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ

عالمگیر جنگ کا خاتمہ ہوا۔ گو انگریزوں کو ظاہری فتح نصیب ہوئی۔ لیکن سیاسی طور اُن کی حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔ ہندوستان میں فوجی بغاوت کے آثار نمودار ہوئے۔ ریلوے اور دیگر اداروں میں کام کرنے والے مزدوروں نے بڑے پیمانے پر ہڑتالیں کر کے برطانوی سامراج کی بنیادیں ہلا دیں جو میرے خیال میں یہاں کے پیچیدہ اور نازک صورت حالات کے ایک بہترین حل کا باعث بنتے۔ انگریز سرکار کو اپنی عیارانہ چال بازیوں کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ہی نہ ملتا۔ لیکن بُرا ہو اس ہوس اقتدار کا، انگریز سرکار لندن میں بو کھلا اُٹھی تو کانگریسی رہنماؤں نے ان کی مطابعت میں مداخلت کر کے اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور فوراً ہی کیبنٹ مشن لندن سے وارد ہند ہو گیا۔ کانگریس اور مسلم لیگی قایدین سے گفت و شنید شروع ہوئی۔ ریاستوں کے مہاراجگان کی ایک تنظیم تو آگے ہی معرض وجود میں آ چکی تھی جس کے ساتھ یہ دونوں بڑی جماعتیں

جو آپسمیں برسرِ پیکار تھیں موجودہ نازک دور میں اُلجھنا نہیں چاہتی تھیں۔ شیرِ کشمیر جو آل انڈیا سٹیٹس پیوپلز کانفرنس کے نایب صدر بھی تھے موقع کا استفادہ حاصل کرنے کی خاطر دہلی جا پہنچے اور وہاں کیا ہوا کیا نہیں ہوا۔ اس سے مجھے غرض نہیں۔ لیکن کشمیر کے متعلق کمیشن کے سامنے ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں "بیعنامہ امرتسر" کی وضاحت کی اور اُسے ختم کرنیکا مطالبہ کیا۔

پیش ازیں کہ میں بعد کے حالات پر روشنی ڈالوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر سرکار کا بیہودہ پن اور اس سے پیدا شدہ پیچیدگیوں کا کچھ مختصر سا حال بیان کروں۔ پنڈت رام چندر کاک جو دھیرے دھیرے حکومت کی مشنری میں ایک معقول منصب حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا اقتدار اعلےٰ کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اپنی عیارانہ چالوں اور سازشوں کی بدولت ایک طرف مہاراجہ صاحب کو قابو میں رکھا تھا اور دوسری طرف سے قایدین کانفرنس کو اپنے اعتماد میں لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال ریاست میں بڑی افراتفری رہی۔ کوئی حکومت کامیاب نہ رہی۔ دو عوامی وزیر لیے گئے اور کاک صاحب مدار المہام مقرر ہوئے اس سے بھی اس کے نفس امارہ کی پیاس نہ بجھی اور مجنونانہ انداز میں کانفرنس سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ نامراد اصل روپ میں سامنے آیا تو کانفرنس نے حکومت سے اپنے وزیر کو واپس بلا لیا۔

شیرِ کشمیر دہلی سے مایوس واپس آئے اور یہاں تنظیم کو بھی ناتسلی بخش محسوس کیا۔ تو نعرہ "کشمیر چھوڑ دو" بلند کیا جو بجائے خود ایک موثر اقدام ثابت ہوا۔ اور اس کی کوشش نے جملہ مخالف عناصر کو درہم برہم کر لیا۔ اور کانفرنس کے حوصلہ شکن افراد کو ایک مرکز پر لایا۔ جسے حکومت اپنے پنجوں میں نہ سما سکی۔ الغرض ۲۰ مئی ۱۹۴۶ء کو شیخ صاحب گرفتار ہوئے۔ تحریک زور وں

پر شروع ہوئی۔ کانفرنس کے کچھ رہنما بیرون ریاست گئے اور کچھ یہاں روپوش ہوئے۔ راقم الحروف کو رسل و رسایل کی ذمہ داری سونپی گئی چونکہ میرے خلاف یہاں وارنٹ جاری ہو چکا تھا اسلئے فرض کی انجام دہی کیلئے پنجاب روانہ ہوا۔ رجعت پسند عناصر میدان کو خالی پاکر کاک صاحب کی کوٹھی کا چکر کاٹنے لگے۔ افسوس ہمارے فرقہ کے چند اکابرین نے یہاں تک اس کے ساتھ تعاون کیا کہ جلوس عاشورہ کو اپنے عارضی مفادوں کی خاطر قربان کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ پاکستان وجود میں آیا۔ ہندو مسلم اور سکھوں کی لاشوں سے خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ یتیموں اور بیواؤں کی آہ و پکار کے درمیان ہند اور پاکستان میں یوم آزادی منایا گیا۔ ظالم و مظلوم کے مابین مذہبیات کی بناء پر امتیاز کرنا بعید از انسانیت ہے۔ ہندو مسلمان پر ظلم کرے یا مسلمان ہندو پر بہرحال ظلم ہی کہلاتا ہے ہمیں یزید کی ذات سے عناد نہیں بلکہ اس کی ظالمانہ کاروائیوں سے نفرت ہے۔ مختار نے اگر ظالموں سے زیادتی کی ہو تو تقاضائے انسانیت یہی ہے کہ اس سے بھی بری الذمہ نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہے ہم جو ہر سال محرم کے ایام میں ماتم داری کر رہے ہیں حقیقت میں ظلم کے خلاف ایک آواز ہے تاکہ لوگ اس سانحہ دلگداز سے سبق حاصل کرکے ظلم کرنا ترک کردیں اور دوسروں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔

کشمیر میں کاک صاحب وزارت عظمیٰ سے برطرف کئے گئے۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں شیخ صاحب رہا ہوئے۔ جلاوطن اصحاب اپنے اپنے گھروں کو واپس آئے تو سرکار کے ساتھ گفت و شنید شروع ہوئی نتیجہ کے طور پر مہاجن صاحب کو پانچ سال کے واسطے قلمدان وزارت سنبھالنے کا پروانہ دیا گیا۔ اس نازک دور میں مسئلہ کا یہ حل کسقدر مضحکہ خیز اور شرمناک ہے۔ بھلا ان بیچاروں کا کیا قصور رہا ہے۔ انگریز سرکار نے راجاؤں اور مہاراجوں کے لئے مدارس ہی الگ قائم کئے تھے جن میں

نصاب تعلیم کا وضع بھی جدا گانہ تھا۔ جس سے کہ یہ صاحبان دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز ہو چکے ہیں۔

ڈوگرہ راج کا خاتمہ اور شیعہ فیڈریشن کا قیام

یہ صحیح ہے کہ کشمیر میں کوئی خون خرابہ نہیں ہوا۔ لیکن یہ بھی ناممکن تھا کہ ہند و پاکستان کے مسموم جراثیم اس خطۂ پُر فضا میں اثر انداز نہ ہوتے۔ جن دنوں یہاں کے رہنما جیلوں میں تھے یا جلائے وطنی کے ایام بسر کر رہے تھے اور عوام کا رجحان طبعی لوکل تحریک کی جانب ملتفت تھا تو یہاں کی حکومت علاقہ پونچھ کے امن پسند عوام پر طرح طرح کے ظلم ڈھا رہی تھی اور ریاست بھر میں سیوک سنگ ساز و سامان سے لیس ہو کر منظم ہو رہی تھی۔ شیخ صاحب کی رہائی کے بعد جب حکومت وقت سے گفت و شنید ناکام رہی۔ آگ ملک کے چاروں طرف پھیل چکی تھی تو مہاراجہ کی حکومت نے یہاں کے لوگوں کے نام احکام جاری کئے کہ وہ اپنے ہتھیار اگر ان کے پاس کچھ ہوں متعلقہ پولیس سٹیشنوں پر جمع کرا دیں غرض یہ تھی کہ یہاں کی اکثریت کو نہتا کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں شیر کشمیر نے کھلے الفاظ میں اعلان کیا اور پبلک کو ہدایت دی کہ مدافعانہ سرگرمیوں کی خاطر سب لوگ کچھ نہ کچھ ہتھیار اپنے پاس محفوظ رکھیں تاکہ بروقت کام آئے۔ نیز دس ہزار رضا کار فوری طور نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے منظم ہوں چونکہ مہاراجہ صاحب کو نیشنل کانفرنس پر کوئی اعتبار تھا نہیں نہ کوئی ایسا ہمدرد اس کی مصاحبت میں موجود تھا جو بروقت مفید مشورہ دیتا۔ اس کے گرد و پیش بیٹھنے والے مہا سبھائی ذہنیت کے مصاحب تھے انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ نیشنل کانفرنس کے قائدین بیرونی طاقتوں سے ملے ہوئے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا کے جملہ طبقوں سے لاپرواہی برت لی اور اپنے ہی مال و جان کو بچانے کی خاطر اندھیری رات میں

۳۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بطرف جموں بھاگ گیا۔ وہاں پہنچنے پر کیا ہوا۔ اس محشرستان کو سن کر ہی ایک انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جس کا تذکرہ گاندھی جی نے بھی اپنے ایک بھاشن میں کر کے اس کا ذمہ دار مہاراجہ صاحب کو ٹھہرایا۔

مزید الجھنوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر اس بہادر نے حکومت ہند سے امداد کے لئے دست دراز کیا چونکہ اس کے لئے الحاق ضروری تھا۔ اس واسطے انہوں نے شیخ صاحب کو دہلی طلب کیا اور مہر تصدیق ثبت کرائی۔ آئینی کاروائی مرتب کرنے کے بعد اس شرائط پر الحاق منظور کیا کہ ریاست میں امن وامان ہونے کے بعد رائے شماری سے یہ مسئلہ طے کیا جائے۔

الغرض ہندوستان کی فوج ریاست میں داخل ہوئی اور خورد و نوش کے کچھ سامان بھی مہیا کرے۔ نیشنل کانفرنس کے رہنماؤں نے لال چوک میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی جبکہ یہ درہم برہم ہو چکی تھی اور ایک ایمرجنسی حکومت قایم کی جس کے ناظم اعلیٰ شیر کشمیر بنے۔ قومی رضاکاروں نے بلا امتیازِ مذہب ہمت و استقلال سے اندرونی امن وامان کو برقرار رکھا۔ اس کی داد دیئے بغیر بھی میں نہیں رہ سکتا ہیں جانتا ہوں اور بخوبی واقف ہوں کہ کشمیر چھوڑ دو کی تحریک میں کانگریسی رہنماؤں اور دیگر ترقی پسند عناصر نے بڑی امداد کی۔ اور مسلم پولیس نے بھی کوئی کسر باقی نہ چھوڑی اگر لیگ کے رہنما الگ تھلگ رہے۔ سچ پوچھئے تو انہوں نے اپنے معاملہ میں بھی قربانی سے کام نہیں لیا۔ اب رہا آئینی سرگرمیوں کا سوال۔ اس کی ذمہ واری ان پر نہیں بلکہ ہمارے "کرم فرما" دوستوں پر ہے جو تحریک کے کسی منزل پر بھی روڑے اٹکانے سے باز نہ رہے۔ کشمیر کی ساری افراتفری کے وہی ذمہ دار ہیں جس کا تذکرہ میں آگے کرنے والا ہوں۔

راقم الحروف ابھی جلاوطنی کے ایام ہی بسر کر رہا تھا کہ پندرہ اگست کو یوم آزادی کے موقعہ پر شیعان کشمیر کے اُس عنصر نے جو کسی وقت "جداگانہ" کی بڑ ہانک رہا تھا۔ اب پاکستان کی

خوشی میں اپنے مکانوں کو سبز جھنڈیوں سے آراستہ کیا۔ اور پھر وہی جھنڈے رات کی تاریکیوں میں اتار پھینکے اور ان کا نام و نشان تک مٹایا۔ میں ان مسخروں سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ ایک وقت تھا کہ اپنے ہم جنسوں کی مسلم کانفرنس میں ملنے سے اس لئے انکار کیا تھا کہ ہم مسلمانوں سے الگ ہیں اب نہ معلوم کن اصولوں کے تحت اور کس ایمان اور طاقت کے بلبوتے پر اپنے ملک کی اکثریت کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ مرحوم محمد علی جناح صاحب نے تمام فرقہ ہای اسلام کو ایک مرکز پر جمع کر کے مسلمانوں کے جمود کو ختم کر کے مردہ دلوں میں نئی روح پھونک دی اور انہیں ہر فن میں اقوام عالم کے دوش بدوش کھڑا کر دیا۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو مجھے کسی کے نیک حد پر روشنی ڈالنا مقصود نہیں لیکن یہ درست ہے کہ کانگریس کے مسلم رہنما پوری طور اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں ناکام رہے مگر اس بات سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کشمیریوں نے سنہ ۱۹۳۱ء میں جناب شیخ صاحب کی قیادت میں یہی کچھ کر دکھایا تھا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے حتیٰ کہ سینکڑوں سالہ شیعہ سنی منافرت کا خاتمہ کچھ کم دلچسپ نہیں۔ شیعان کشمیر خاص طور پر اس کا بار احسان اپنے کندھوں سے نہیں اتار سکتے

موجودہ دور میں جس حسن تدبر اور بلند ہمتی سے پنڈت جواہر لعل جی نہرو نے مسلمانان ہندوستان کو بچانے اور بھارت کی صحیح رہنمائی کرنے کی کوشش کی۔ یہ کوئی کم قابل تعریف کام نہیں جسے نظر انداز کیا جا سکے حتیٰ کہ سرگباشتی گاندھی جی نے اس مقصد کے لئے اپنی جان تک قربان کی۔

اے علمدار کربلا کے جان نثارو! کیا یہ صحیح نہیں کہ ہر محاذ پر چہاردہ معصومینؑ کے اعمال حسنہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے؟ کیا آپ نے جھنڈے نصب کرنے سے پہلے اپنے دوں کو ٹٹول لیا تھا کہ ان میں وہ جوش ایمانی اور قوت مقاومت موجود بھی ہے جو ہمارے رہبران

کی خصوصیات تھیں؟ فلسفہ آلِ محمدؐ میں کیا خوب حسبِ حال مقولہ درج ہے۔ "حمد و ثنا صلوٰۃ و نماز کے ذریعہ سے اصل میں ہم خود اپنے نفس کی تربیت کرتے ہیں اور ادائے شکر کر کے اپنے آپ کو مزید عنایات کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ممنوع ہے کہ وہ راہبوں کی سی زندگی بسر کریں اور شب و روز نماز و روزے ہی میں بسر کرتے رہیں۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم دُنیا کے مصائب و آلام کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور مخلوقِ خدا کی خدمت کر کے اس دُکھ بھری بستی کو فردوسِ ارضی بنانے کی کوشش کریں"

وائے بر حال ما! وہ اسلام جو دنیا سے رہبانیت کا خاتمہ کرنے آیا تھا جو کاہلی اور سستی کے بدلے عملِ صالح کو انسانی زندگی کا نصب العین قرار دینا چاہتا تھا جس نے سب سے پہلے دُنیا کو یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ چند فرسودہ عقیدوں پر ایمان لے آنا کافی نہیں ہے بلکہ عمل کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ آہ! آج وہی اسلام اپنے ناسمجھ پیروں اور جاہل ملاؤں کے ہاتھوں میں رسموں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ اللہ تو فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقیکم مگر ہمارے نزدیک متقی وہ ہے جو سارے دن حوض پر بیٹھ کر طہارت میں مشغول رہتا ہے جس کو مصلوں اور تسبیحوں کے سوا دنیا کی کسی چیز سے سروکار نہیں۔ جو ملتِ اسلامیہ کی بربادی پر چند آنسو نہ بہا سکے جو نہ خود میدانِ عمل میں اتر پڑے نہ دوسروں کو نکلنے دے بلکہ محض کارکنوں کی راہ میں روڑے اٹکائے"۔ صاحبان! یہ میرا کلام نہیں بلکہ ایک علامہ کا ہے محض مومنین کے تسلی کی خاطر یہاں پر درج کیا گیا۔

آمدم برسرِ مطلب۔ کشمیر پر مصائب کے پہاڑ آگرے۔ تو بہ نام نہاد رہنما حضرات گوشہ نشین ہوئے اور قوم ان کی غلط رہنمائی کے باعث جن مصیبتوں میں گرفتار ہوئی انہوں نے اس سے بالکل لاپروائی برتی۔ راقم الحروف تقریباً بارہ سال کے عرصہ دراز سے قوم کی اندرونی اصلاح

کو ناممکن العمل سمجھکر انتشار کو مزید وسعت کے خوف سے دستبردار ہو چکا تھا اور اب سترہ ماہ کی جلائے وطنی سے واپس آکر مالی اور رجانی کمزوریوں کے باعث کوئی اہم کام انجام دینے کے بھی قابل نہ تھا لیکن عوام کی ناگفتہ بہ حالت کے پیش نظر اپنے دیرینہ رفقائے کار کے مجبور کرنے پر شیعہ فیڈریشن کی داغ بیل ڈالدی گئی۔ اور قوم کو منظم کر کے حالات کا مقابلہ کیا خوش قسمتی سے محرم کے ایام سر پہ تھے جس نے ساری کارروائیوں کو چار چاند لگائے اور لوگوں کے جوش و خروش سے حیران کن نتیجے اخذ ہوئے چونکہ اگلے سال کاک کی عقیدت میں کرم فرما رہنماؤں نے ماتم حسین بند کیا تھا۔ اب کے بار ہم نے ان کنج نشین حضرات کو رسومات محرم ادا کرنے کی دعوت دی۔ جسے شرف قبولیت نہ ملا۔ بہر حال ان کے انکار کرنے پر جلوس عاشورہ امام باڑہ جڈی بل سے نکال کر امام باڑہ حسن آباد میں ختم کیا۔ یہ اقدام جہاں پارٹی بازی کو ختم کرنے میں مفید ثابت ہوا۔ وہاں اس سے قدیم و جدید کی بنیادی تقسیم بھی ختم ہوئی۔ ہمارا مخالف عنصر ہمیشہ سے ہی اپنے تمناؤں کا پس منظر یہی ظاہر کرتا رہا۔ اب ہمیں ان کی ناراضگی کا بجز اس کے اور کچھ نظر نہیں آتا کہ ہمارے ہاتھوں کیوں یہ کارروائی عمل میں آئی۔ صاف عیاں ہے کہ ان کی یہ زبانی جمع خرچی محض عوام کے ساتھ ایک دھوکہ کے سوا کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی۔

مہذب اور زندہ قومیں ہی دنیا میں ہمیشہ قائم رہ سکتی ہیں جس کا ثبوت یہاں کے برادران وطن کی موقعہ شناسیوں سے اچھی طرح ملتا ہے۔ حضرت حسینؑ کے متبرک ایام عین موقع پر ہماری دستگیری کرتے تو ان کی ہمہ قسم کارروائیوں کا ہی ہمارا پسماندہ فرقہ شکار ہو چکا تھا۔ ہم نے وادی کشمیر کے تمام علاقہ جات کا دورہ کیا جہاں شیعہ اکثریت میں تھے ان کو حلقوں میں منظم کیا اور رضاکار بھرتی کئے اور جہاں اقلیت میں تھے ان کی رہنمائی کی

علاقہ میر بحری جاڈی بل اور تحصیل بارہ مولہ کے علاوہ تحصیل بڈگام میں حالات زیادہ مخدوش تھے اس بنا پر ناظم اعلیٰ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور انہوں نے بکمال شفقت راقم الحروف کو وہاں کا ایمرجنسی آفیسر مقرر کیا۔

پیپر ماشی ورکرس کو دوکانداروں نے عین موقع پر نظر انداز کیا اور وہ بیچارے بسبب غربت بے سروسامانی کی صورت میں پریشان ہوئے۔ ہم نے دوکانداروں کی توجہ اس کی طرف مرکوز کی۔ اور بہت سمجھایا کہ یہ تین چار سو کاریگر جو عمر بھر آپکے لئے عیش و عشرت کے سامان میسر کرتے رہے آج در بدر پھر رہے ہیں اور امداد کے مستحق ہیں۔ وقت ایسا نہیں رہیگا مستقبل قریب میں کاروبار کی حالت اچھی ہوگی جب آپ لوگ ان کی منت و سماجت کرنے پر مجبور ہوں گے پھر بھی اگر آپ اپنے روپے کاروبار میں نہیں لگانا چاہتے تو ہم گورنمنٹ سے کچھ رقم قرضہ کے طور پر طلب کریں گے۔ یہ بے تجربہ ہیں آپ کم از کم ان کے کام کی دیکھ بھال کریں۔ خود بھی فائدہ اٹھائیں اور یہ غریب بھی اپنی اُجرت سے بسر اوقات کر سکیں گے۔ اس صورت میں حکومت کے روپے بھی محفوظ رہیں گے۔ اور کشمیر میں پہلا سب سے بڑا کارخانہ بہترین لائنوں پر قایم ہوگا۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ بہر حال حکومت نے روپے دیئے اور ایک کواپریٹیو سوسایٹی کی بنیاد ڈالی۔ اُس کا وہی انجام ہوا جس کا ہمیں خدشہ تھا۔ چند ماہ میں روپے غیر تسلی بخش طور پر صرف ہوئے اور آگے کامیابی نہ ہوئی۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ کاریگراں ایک مشکل ترین دور میں اپنا گذارہ کر سکے۔ اب وہ دوکاندار حضرات اس ناعاقبت اندیشی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں اور آگے چل کر جب استحصالی عناصر ختم ہوں یہ خود غرض طبقہ بھی انہی کاریگروں کے دست نگر ہوگا۔ افسوس یہ کور چشم امروز و فردا کے واقعات سے سبق بھی حاصل نہیں کرتے۔ میں اس سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ یہ کاریگروں کا فرقہ بھی کریکٹر کے لحاظ سے

اس قدر گرا ہے کہ خدا کی پناہ۔ شاید ہی کوئی انسان ہو جس نے دیانتداری اور ذمہ داری سے اس سوسائیٹی میں کام انجام دیا ہو۔ منتظمین نے تو استحصالی عناصر کا پارٹ پوری طرح ادا کیا۔

اے دنیا والو! چہاردہ معصومینؑ کے کروڑوں ایسے واقعات ہیں جن پر عمل کرنا آپ کا فرض ہے میں یہاں پر آپ کی آگاہی کے لئے چند ایک واقعات اپنے مولا حضرت علیؑ کے درج کرتا ہوں۔

اندھیری رات تھی جاڑا کڑاکے کا پڑ رہا تھا۔ ایک خس پوش مکان تھا۔ نہ چوبدار تھا نہ دربان۔ ایک کونے میں حضرت چادر اوڑھے بیٹھا ہوا سردی کے مارے کانپ رہا تھا۔ نو وارد نے دریافت کیا کہ مولا یہ کیا حال ہے۔ فرمایا۔ میں مدینہ سے یہی ایک چادر لیکر چلا تھا خدا کی قسم میں نے تمہارے بیت المال سے اپنی ذات پر کچھ خرچ نہیں کیا۔

عید کا دن تھا۔ دنیائے اسلام کے کونے کونے میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ سرمایہ دار زرق برق لباس پہنے ہوئے نماز کی تیاری میں مشغول تھے۔ راوی کہتا ہے کہ میں دارالامان میں پہنچا کہ چل کر مولا کو عید کی مبارکباد دوں۔ دیکھا کہ سامنے جَو کی روٹیوں کے چند سوکھے ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ اور حضرت ذوق وشوق سے تناول فرماتے جاتے ہیں اور زبان پر ذکر خدا جاری ہے۔ میں نے کہا کہ مولا! آج تو عید کا دن ہے۔ آپ نے ایک سرد آہ بھری اور فرمایا۔ عید! ارے عید ان لوگوں کے لئے ہے جو عذاب آخرت سے مامون ہو چکے ہوں۔ دیکھو اس دکھ بھری دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو یہ ٹکڑا بھی میسر نہیں ہوتے۔ آہ! آج سینکڑوں گھر فاقوں سے مرتے ہیں اور ان کی عید اور رمضان میں کوئی فرق نہیں۔

کوفہ کی مسجد میں شور ہے کہ آج رسول اللہؐ کے داماد عرب کا سب سے بڑا فلسفی اسلام کا تاجدار اپنا پہلا خطبہ پڑھنے کے لئے مسجد میں آئیگا۔ مسجد کا چپہ چپہ مسلمانوں سے

بھرا پڑا ہے اور سب کی آنکھیں دروازہ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ لو! وہ ایک کھدر پوش داخل ہؤا جس کے سر پر ایک سبز رنگ کا عمامہ ہے جسم پر ایک کُرتہ ہے جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے ہیں وہ صفوں کو چیر کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگ اس کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں وہ نرم لہجہ میں کہتا ہے۔ ہاں میں ہی علیؑ ہوں میں تمہیں خطبہ سنانے کے لئے آیا ہوں استعجاب وحیرت کی نگاہیں تڑپ تڑپ کر اُس کے چہرہ پر پڑتی ہیں۔ اور بادشاہوں کا جاہ وجلال دیکھنے والے متحیر ہو کر رہ جاتے ہیں

قیصر روم کا سفیر مدینہ آیا ہے وہ اسلام کے متعلق چند سوالات دریافت کرتا ہے۔ ایک سخت مقدمہ درپیش ہے حکومت وقت کو تشویش ہے کہ اسے کس طرح طے کیا جائے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مشکل علیؑ کے سوا کسی سے حل نہ ہوگا۔ حکومت مع اپنے ساز وسامان کے علیؑ کے دروازے پر حاضر ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی یہودی کے باغ میں مزدوری کرتے ہیں۔

پھر کچھ مدت بعد کے زمانہ پر نظر دوڑایئے، لوگ فارغ البال ہیں۔ اقتصادی حالت درست ہو چکی ہے۔ ہر کس وناکس خوش اسلوبی کے ساتھ بسر اوقات کر رہا ہے تو امام جعفر صادقؑ کے ہاں بھی خدم وحشم کے سامان میسر ہیں۔ دسترخوان پر مہمانوں کے واسطے لذیذ کھانے قرینے سے رکھے جاتے ہیں اور لباس فاخرہ زیب تن ہے۔

دونوں زمانوں کے واقعات اور پیشواؤں کے حالات آپ کے سامنے ہیں اب موجودہ زمانہ کا تقابل کرنا آپ کا کام ہے اور اپنے طرز زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

عوامی راج کا آغاز اور نیا کشمیر کا عملدرآمد

کشمیر کا قضیہ ہندوستان نے انجمن اقوام متحدہ میں پیش کیا۔ اس سلسلہ میں ناظم اعلیٰ بھی امریکہ تشریف لے گئے اور واپسی پر ایمرجنسی دور کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ مہاراجہ صاحب نے طے شدہ فیصلہ کے مطابق پرانی فرسودہ حکومت سے استعفےٰ طلب کر کے شیخ صاحب کو وزارت بنانے کی دعوت دی جس کا غیر متوقع اعلان جموں میں ہوا جو ریاست کا سرمائی دار الخلافہ ہے اس اعلان سے عوام میں سنسنی سی پیدا ہوئی کیونکہ اس سے قبل کہا گیا تھا کہ سری نگر میں آکر سترہ سالہ کارکنوں سے بھی مشورہ لیا جائیگا۔ معلوم نہیں تبدیلی پروگرام میں کونسی مجبوریاں ہوئیں یا اس سے کیا نتائج نکلے مجھے اس سے غرض نہیں لیکن اخبارات میں جب سیکرٹریٹ کی بھی اشاعت ہوئی تب مجھے ریاست کے نظم ونسق اور سود و بہبود کا اندازہ لگانے میں کسی قدر سہولیت کے سامان مہیا ہوئے۔ ایمرجنسی دور کی افراتفری کے زمانہ میں سربرآوردہ حضرات کو بے ضابطگیوں کی بنا پر مورد الزام گرداننا عقلمندی نہیں۔ اس کی ساری ذمہ داری کارپردازوں اور تعلقداروں کے سر ہے جس کا اثر راقم الحروف پر اسقدر پڑا کہ چار آنہ کی ممبر شپ تک ہی اپنی سرگرمی کو محدود رکھا اب جبکہ حکومت کا ڈھانچہ میرے سامنے آیا مزید غور و فکر کا موجب بنا۔ صاف بات یہ ہے کہ میں ہمیشہ ایک گمنام صورت میں اس درخت کی آبیاری کرتا رہا۔ مزید برآں لیڈروں کی فراغت اور اطمینان کے مواقع اور سامان مہیا کرنے کے انتظامات بھی کیے۔ کبھی بھی کسی ذاتی مفاد کو زیر نظر نہیں رکھا اب موجودہ ماحول میں امتحانات سے گزرنا مجھے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے مشکل نظر آیا۔ دوسری جانب اس دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے خواب دیکھ رہا تھا کہ شاید فرقہ شیعہ نے موجودہ افراتفری سے سبق حاصل کیا ہو اور ہم اس کی اندرونی اصلاح کرنے میں کامیاب ہوں تاکہ یہ عضو معطل بھی آئندہ

انقلابات میں اہل ملک کے دوش بدوش کھڑا ہونے کے قابل ہو۔ اب چونکہ مجھ میں دو محاذوں پر کام کرنے کی سکت باقی نہ تھی اس لئے فیڈریشن کی میٹنگ طلب کر کے باتفاق رائے یہ طے پایا کہ موجودہ وقت کا جو سب صورتوں میں حوصلہ افزا ہے فائدہ اٹھا لینا چاہیئے یمکن ہے کہ یہ ننگ انسانیت فرقہ اپنی بھول بھلیوں سے باز آئے۔ اس سلسلہ میں فیڈریشن کی کارکردگیوں پر اگلے باب میں مفصل روشنی ڈالوں گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ماحول اس قدر حیران کن صورت اختیار کر گیا کہ ایک طرف سے تعلیمیافتہ طبقہ آستین چڑھا کر عہدوں کی خاطر آپسمیں گتھم گتھا ہو رہا تھا۔ اور دوسری جانب ابن الوقت عناصر سترہ سالہ قربانیوں کی سندیں لئے ہوئے قایدین کی قیام گاہوں کا چکر کاٹ رہے تھے اور وہاں سلام کرنے کا موقع بھی بمشکل نصیب ہوتا تھا۔ بہرحال ہمارے فرائض تو بخیر و خوبی انجام پائے۔ اب ان حضرات کے امتحان کا وقت ہے جو مدت سے ناامیدی کے سمندر میں ڈبکیاں لے رہے تھے۔ اگر وہ اپنی ذمہ واریوں کو محسوس کریں۔ یہ وسطی دور بھی ایک کٹھن منزل ہے پھر کہیں ہمارے اخلاف کے لئے لابھ اٹھانے کا موقعہ آئیگا۔ لیکن میں ان حضرات سے اپیل کرونگا کہ اگر اپنے پیشوایان دین کے نقش قدم پر چلنا کچھ دشوار سا معلوم ہو۔ تو کم از کم مغربی طرز لباس اور رہن سہن کے ساتھ ساتھ ان کا کریکٹر بھی قبول فرمائیں۔ اسی میں آپ کی دینوی ترقی اور اہل ملک کی بہبودی کا راز مضمر ہے"

دریں اثنا انجمن اقوام متحدہ کی طرف سے کشمیر کے قضیہ کو سلجھانے کی خاطر ایک کمیشن آیا جو پہلی جنوری ۱۹۴۹ء کو لڑائی بند کرانے میں کامیاب ہوا۔ جنگ بندی کے محاذ قایم ہوئے اور ریاست عارضی طور تا فیصلہ دو حصوں میں بٹ گئی چند ماہ کوشش کر کے کمیشن کسی مستقل فیصلہ کرانے میں ناکام رہا اور ان کی جگہ سر اوون ڈکسن نے لی۔ وہ اپنی دماغی قابلیت کے باوجود اپنی تمام کوششوں میں ناکام

ہا، لیکن پردہ راز سے اینگلو امریکن بلاک کی دیرینہ خواہشات ظہور پذیر ہونے لگیں۔ ریاست کی یگانگت پر ایک کاری ضرب لگانے کے علاوہ بین الاقوامی دھڑے بندی کی آماجگاہ بنانے کے منصوبے باندھے جاتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے مقتدر رہنما کون سے اقدامات اختیار کر رہے ہیں۔ اہل ملک کو تو اس بدترین فیصلہ کے خلاف خون کا ایک ایک قطرہ بہانے سے گریز نہ کرنا چاہیئے۔ بصورت دیگر میں سمجھونگا کہ لیڈران قوم نے یا تو غلط اقدام کیا یا اپنے فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہے۔

جموں کے حسرتناک خون خرابہ کے سلسلہ میں مہاراجہ ہری سنگھ کی گدی پر اس کا بیٹا شری کرن سنگھ جی عارضی طور آئینی حکمران مقرر ہوا۔ جو سرینگر اپنے گرامی دارالخلافہ میں تشریف لائے ہیں۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ لیکن جہاں مجھے کانفرنس اور حکومت کے بنیادی اصول اور ترقی پسند پلیننگ کے ساتھ اتفاق ہے۔ وہاں مجھے منسٹروں کے رہن سہن، طریق کار اور کانفرنس کی تنظیمی سرگرمیوں کے ساتھ اختلاف بھی ہے۔ گستاخی معاف ہو راقم الحروف کو بھی ایک شہری کی حیثیت سے تنقید و تبصرہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ دیرینہ خدمات کا میں بجز اس کے کچھ عوضانہ نہیں مانگتا کہ میری عرضداشت کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے اگر حق بجانب ثابت نہ ہو۔ تو تکلیف معاف کی جائے ورنہ بصورت دیگر عملدرآمد کر کے عوام کو مزید خوشنودی کا موقع بخشیں۔

میرے خیال میں ملازمتوں اور محکمہ جات کو وسعت دینا بے کاری کے مسئلہ کا مناسب حل نہیں۔ ایسے مشکلات بجائے کم ہونے کے مزید الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ رشوت اور کنبہ پروری کا انسداد تو نہیں بلکہ ان کو فروغ مل رہا ہے۔ اگر نچلے طبقہ کے ملازمین کا معیار تنخواہ معقول بلند کیا جائے۔ اور افسران بے دلی کو ترک کر کے ذمہ داری سے کام کریں تو مجھے

ایسی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ کام کیوں ملازموں کی محدود تعداد سے بخیر وخوبی انجام نہ پا سکے جب کہ ریاست کی بھی کلی حیثیت قائم نہیں۔ قاعدہ کلی ہے کہ جب کسی ادارہ میں کارکنوں کی بہتات ہو تو کام کا دائرہ بھی غیر ضروری طور پر وسیع ہوتا جاتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کی تقریباً ساری آبادی اس وقت دیگر ذرائع میں وقت محسوس کر کے ملازمتوں کی جانب دوڑتے پھرتے ہیں اور منسٹروں اور اعلیٰ افسروں کی قیام گاہوں اور دفاتر پر ہمہ قسم انسانوں کا تانتا بندھا رہتا ہے اس طرح حکام کا قیمتی وقت بھی ضایع ہوتا ہے اور مجبوراً کئی اہم مقامات پر کچھ نہ کچھ گنجائش نکالنا ہی پڑتی ہے اور اس قلیل معیاد تنخواہ پر ملازموں کا بڑھتا ہوا سیلاب رشوت خوری اور غبن کے موجب ہوں گے۔

یہ صحیح ہے کہ محکمہ جات سے بچت شدہ ملازمین کے لیے روزگار مہیا کرنا حکومت کا فرض ہے اس کے ساتھ ہی میں عوامی راج کے صحیح عندیہ کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں کہ ملک میں کوئی بھی شخص روزگار کا محتاج نہ رہے ان سب مشکلات پر قبو پانے کے لئے ذرا فراخدلی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بے ادبی معاف ہو کئی ایسے دیرینہ رفقائے کار جو اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کار آمد ثابت ہو سکتے تھے۔ جی حضوریوں کی بھرمار کی وجہ سے میدان چھوڑ کر ہٹ گئے ہیں یا تو زیر عتاب ہیں۔ یا ان کے ساتھ ہمکلام ہونا تضیع اوقات سمجھا جا رہا ہے۔ اس کے وجوہات کیا ہیں مجھے اس سے غرض نہیں جہاں تک مجھے علم ہے۔ تحریک کے دوران میں اکثر بار ان کے مفید مشوروں کو فوقیت دی جاتی رہی۔ اور ان کے ہمدردانہ اور دیانتدارانہ کارنامے سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب ملک کو ہمہ قسم انسانوں کی ضرورت ہو۔ ان کو نظر انداز کرنا انصاف پر مبنی نہیں۔

پیش ازیں کہ صنعت وحرفت اور تجارت کے متعلق اپنا نقطۂ نظر حکومت کے

سامنے رکھوں بہتر یہ ہوگا کہ کشمیریوں کے تنزل اور صنعت و حرفت اور فنون کے زوال کے وجوہ بیان کروں۔

حضرات حقیقت یہ ہے کہ ہم اس قدر تنگ دل واقع ہوئے ہیں کہ اپنے فنون، ایجادات اور علوم کو اپنے ہموطن اور ہم قوم بھائیوں سے بھی حتی الامکان چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صنعت و حرفت اور تجارت میں ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور کسی کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے یا مزید تجربہ کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ اور موجد کے دماغی اختراعات اور کمالات اس کے ساتھ ہی دفن ہوتے ہیں۔ مزید برآں تاجر حضرات ایک طرف سے کاریگروں کا گلا دبا کر اتنی کم اجرت دیتے ہیں کہ وہ گھٹیا قسم کی فن کاری کر کے گنجائش نکال رہے ہیں اور دوسری جانب گاہکوں سے مال پر سو فیصدی منافع حاصل کرنے کی خاطر اخلاق سوز حرکات اور عیارانہ چالوں سے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کاریگروں اور گاہکوں کے ساتھ ان کے ہیچ قسم سلوک سے یہاں کی صنعت و حرفت ناکارہ اور تجارت درہم برہم ہو جاتی ہے

اب فن معالجہ کو لیجیئے۔ طبیب حضرات جو یونانی طرز کا علاج معالجہ کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا طریق کار نہایت ہی دلچسپ ہے۔ اول تو انہیں کسی کالج یا یونیورسٹی کی سند کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے۔ دو چار کتابیں طوطے کی طرح پڑھیں تو نبض ہاتھ میں لے کر نیم حکیم خطرۂ جان بن کر غریب مریضوں کے جانوں پر کھیل رہے ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ مریض کتنی ہی ابتر حالت میں کیوں نہ ہوں حکیم صاحب دیگر طبیبوں سے مشورہ کرنا اپنی توہین سمجھ لیتا ہے اور نہ تیمارداری کرنے والے اور طبیب کو بلانے کی جرأت کرتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیمار کے مرض کی صحیح تشخیص نہ ہو کر اس کی جان خواہ مخواہ تلف ہو رہی ہے اس طرح اس بہترین فن معالجہ کا خاتمہ ہو رہا ہے اب صرف تختۂ مشق کا ایک ادارہ بن کر رہ گیا ہے اور ان بھلے مانسوں کو جو

اپنے آپ کو حکیم کہلاتے ہیں۔ اب بھی ذرہ بھر خیال نہیں کہ اس قدیمی طریقۂ علاج کی مزید تحقیقات نہ سہی کم ازکم اپنے ہی معیار پر قایم رکھنے کی کوشش کریں۔

یہ ہیں حالات ہمارے ملک و اہل ملک کے۔ خداوند کریم اپنا ہی فضل و کرم کرے ورنہ "نہ پائے رفیق نہ جائے ماندن" والا سلسلہ ہے۔

ایمرجنسی حکومت کے دوران میں یہاں کی تجارت کو فروغ دینے کے لئے مختلف سکیمیں مرتب کی گئیں۔ کشمیر آرٹ ایمپوریم قایم کیا گیا۔ اور اس کو ٹریڈ یونین کے زیر اثر رکھا گیا حکومت نے امداد باہمی کے اصولوں پر مختلف سائٹیوں کو منظم کرایا۔ اوران کی امداد کے لئے لاکھوں روپیہ منظور کرنے کا وعدہ کیا لیکن چند مدت بعد ہی ان سے نظر شفقت ہٹا کر ایمپوریم کی پرائیویٹ حیثیت ختم کر کے اس کو گورنمنٹ ادارہ میں تبدیل کیا۔ جہاں تک ایمپوریم کی قومی ملکیت بنانے کا سوال ہے مجھے اس سے اتفاق ہے لیکن صرف مال فروخت کرنے کی حد تک۔ جہاں تک مال تیار کروانے اور خریدنے کا سوال ہے موجودہ طرز عمل تسلی بخش نہیں اس طرح مفاد خصوصی حاصل کرنیوالا طبقہ ہی صرف جائز و ناجائز طور روپے کما رہے ہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ جملہ صنعت و حرفت کی کواپریٹو سوسائیٹیاں منظم کر کے صرف ان کا ہی مال ایمپوریم میں فروخت ہوا کرے۔ اور اس کی شاخیں دنیا کے اہم مقامات پر کھولی جائیں میں جانتا ہوں کہ یہاں پر حکومت کو دو مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے (۱) تاجر لوگ مقابلہ میں آکر کاروبار کو زک پہنچائیں گے (۲) اکثر کاریگران تجربہ کار نہیں اور نہ دیانتداری سے کام سرانجام دے رہے ہیں جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج سے تین سال قبل یہ بری طرح محسوس کیا جاتا رہا۔ لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ وہ کاندار حضرات حکومت کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر دھیرے دھیرے دستبردار ہو رہے ہے

ہیں بلکہ اپنی خدمات بھی پیش کرنے کو تیار ہیں۔ یہ اس وقت بالکل ہی بے دست و پا ہونگے جب سارے کاریگروں کا موزون مال مناسب نرخوں پر کواپریٹو سوسائیٹیوں کے ذریعہ ایمپوریم میں داخل ہو۔ دوسرے سوال کے حل کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو اشخاص ایمپوریم میں اس وقت مال خریدنے کا فرض انجام دے رہے ہیں ان کی زیر نگرانی کواپریٹو سوسائیٹیوں میں مال تیار کروایا جائے اور ان کو سوسائیٹیوں کی طرف سے موزون اندجارہ کمیشن ملا کریگی ایمپوریم سے صرف مال فروخت کرنے والوں کو ہی کمیشن ملا کریگی۔ صنعت و حرفت کو فروغ ملنے کے علاوہ موزون مال مناسب نرخوں پر مہیا ہوگا۔ جہاں کاریگروں کو اپنی محنت کا پورا معاوضہ ملا کریگا۔ وہاں مختلف محکمہ جات سے بچت شدہ ملازمین کے لئے بھی ان سوسائیٹیوں میں روزگار مہیا ہوگی۔ لوگوں کا رجحان طبع ملازمتوں کی بجائے رفتہ رفتہ ان کارخانوں کی طرف مرکوز ہوگا۔ اور بیکاری کا مسئلہ بھی کسی حد تک حل ہو جائیگا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ کاروبار کا سلسلہ تو حکومت سنبھال رہی ہے اور اس کے فائدے کا بیشتر حصہ استحصالی عناصر خورد برد کریں تو عوام میں ہلچل پیدا نہ ہو تو اور کیا ہو۔

کسانوں کی بہبودی کے لئے جو بہتر قوانین اس وقت عمل میں لائے جا رہے ہیں ترقی کی طرف ایک بڑا قدم ہے اس کے ساتھ ہی اگر بیچارے مزدوروں اور کاریگروں کو بھی استحصالی عناصر سے نجات دلائی جائے تو چنداں مشکل نہیں حقیقت میں تو جبھی تب ہی ترقی پرورانہ نظام کہا جا سکتا ہے جب سارے شعبہ جات میں درمیان داروں کا خاتمہ ہو۔

ٹرانسپورٹ ملک کے واسطے ایک لائف لائن (life line) کی حیثیت رکھتا ہے اس کو قومی ملکیت بنانا نہایت ضروری ہے۔ پرائیویٹ سروسوں کو جنہوں نے آزادی کی

جدوجہد میں ایک اہم حصہ لیا ہے کچھ معاوضہ دیکر ختم کیا جاوے ورنہ مالکان لاری کو جو اکثریت میں ہیں استحصالی عناصر کے ہاتھوں سست رفتاری سے زہر افشانی کرانا کسی صورت میں مناسب نہیں بلکہ بعید از انصاف ہے سر دست بہتر ہوگا کہ پرائیویٹ سروسوں کو جموں اور کشمیر میں لوکل لائینوں پر چلنے کی اجازت ہو۔ اور گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی گاڑیاں جموں سرینگر سڑک پر چلا کریں۔ لوکل کام میں بجز نگرانی کے حکومت کوئی مداخلت نہ کرے صرف کمپنی والے فرداً فرداً اپنی گاڑیوں کے ساتھ ساتھ مشمولہ لاریوں کے مالکوں کو بھی کام مہیا کرنے کے ذمہ دار ہوں۔ چونکہ میں خود اس کام کے ساتھ منسوب ہوں اس لئے مزید تبصرہ کرنا نہیں چاہتا اور نہ میں ذاتیات میں ہی الجھنا چاہتا ہوں پھر یہ ایک لمبی حسرتناک داستان کا پیش خیمہ ہوگا۔

تہاں ہی راز رہنے دے وہ اپنا درد سینے میں   نہیں وہ درد ہی ہرگز جو گفتار میں آئے

صحت عامہ چونکہ روز بروز نازک صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بازار سے جو بھی اشیائے خوردنی دستیاب ہوتی ہیں اکثر ان میں دیگر اجزا کی ملاوٹ ہوتی ہے نیز صحت کے بگڑنے کے دو خاص وجوہات ہیں۔ جن کی انسداد نہایت ضروری ہے۔ اول شالی مشین۔ ان سے جہاں چاولوں کے طاقتی اجزا کالعدم ہو جاتے ہیں ساتھ ہی غریب نسواں کی ورزش کا ذریعہ بھی ختم ہوا ہے سچ پوچھیے مشینوں کی وجہ سے ہی دنیا میں زیادہ افراتفری پھیلی۔ انواع و اقسام بیماریوں کے علاوہ بیکاری کے سبب سے دنیا لڑائیوں کا ایک اکھاڑہ بن گیا۔ مغربی ممالک اور امریکہ کچا مال اور زر کثیر منافع کے طور ہم سے کماکر ہتھیار بنا رہے ہیں جو ہمارے احتجاج پر ہمارے خلاف ہی استعمال کئے جاتے ہیں۔ دوم ملیار لوگ جس قسم کی کھاد استعمال کرتے ہیں۔ نہایت نامربوط ہونے کی وجہ سے مختلف امراض کا باعث بنتی ہے۔

تعلیم کا صحیح استعمال اور اس کے فوائد حاصل کرنے میں ہم میں سے اکثر قاصر ہیں۔ ان کا مقصد اعلیٰ صرف ظاہری زیب و زینت اور نفسیاتی خواہشات، ملازمتوں وغیرہ تک محدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست　　در باغ لالہ روید و در شورہ خار و خس

بہر حال اب تعلیم کے لئے جس جامعہ سکیم پر عملدرآمد کیا جا رہا ہے نہایت قابل تعریف ہے امید ہے آہستہ آہستہ جو بھی خامیاں ہم میں پائی جاتی ہیں ختم ہوں بشرطیکہ عوام اسبارہ میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں۔ عام طور دیکھنے میں آتا ہے کہ راہ گذروں اور چوراہوں پر بچے اخلاق سوز اور بد تہذیب حرکات عمل میں لا رہے ہیں جس سے راستہ چلنے والوں کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے تعلیم و تدریس ہی اس کا صحیح علاج ہے لیکن زعمائے نیشنل کانفرنس کا فرض ہے کہ سر دست محلہ کمیٹیوں کے ذریعہ ان کے والدین کو تنبیہ کرائی جائے تاکہ وہ اپنے بچوں کو تربیت دینے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں

میں اس بات میں یقین رکھتا ہوں اور ہر کشمیری کو رکھنا چاہیئے کہ ہمچو قسم انسان جو موجودہ حکومت پر برسراقتدار ہیں۔ اور سالہا سال سے اس کشتی کو زبردست طوفان میں چلاتے آئے ہیں قوم اُن کے مقابلہ کے آدمی موجودہ دور کے لئے مہیا نہ کریگی میں ماقبل کے حالات میں اُلجھنا نہیں چاہتا نہ مجھے موجودہ سیاسیات پر شعور حاصل ہے اور نہ ہی میں ان انسانوں میں سے ہوں کہ جذبات کی رو میں بہہ جاؤں یا مال و دولت کے لالچ میں ضمیر فروشی کروں۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے لیڈروں پر بھروسہ کرنے میں ہی اپنی بھلائی نظر آرہی ہے لیکن مجھے اس بات کے کہنے میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ کہ ملک کے حالات بگڑنے کے وقت سے جس حسن تدبر اور بلند حوصلگی سے انہوں نے قوم کی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچانے

کی کوشش کی۔ وُہ قابل ستائش اور مبارکباد ہے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اگر لوگوں کی ہمت شامل حال رہی تو ہمارے آیندہ نسل فارغ البال، خوشحال اور آزاد زندگی بسر کر سکیں گے جو لوگ میرے اس مقولے کو خوش فہمی کے سوا کوئی وقعت نہ دیں اور ہمت ہار کر بیٹھے رہیں یا بادِ مخالف کے حامی بنیں وُہ میرے خیال میں تین سو سال کی غلامانہ ذہنیت میں مبتلا ہیں۔ اور ان کو ایک دل پسند آقا کی تلاش ہے۔

نکتہ چینیوں کی ہرزہ سرائیوں کی طرف دھیان دینا ہر مذہب کی رو سے ہی ممنوع نہیں بلکہ ایک سماجی جرم بھی ہے۔ ہاں ہم نے قربانیاں دیکر پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی حاصل کی ہوئی ہے۔ جائز نکتہ چینیوں کو کھلے بندوں وضاحت سے بیان کر سکتے ہیں اور میں یقین نہیں کر سکتا کہ کوئی بھی آزادی پسند عوامی حکومت اس حق سے ہمیں محروم رکھ سکے البتہ فرقہ وارانہ سیاسی ریشہ دوانیوں پر پابندی ضرور ہے۔ اگر ایسے قسم مواقع موجود ہو کے بھی لوگ کمروں میں بیٹھکر نکتہ چینیاں کریں تو میں انہیں وطن دشمن ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس قسم کے لوگ بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو محض ذاتی اغراض کی بنا پر حکام کو خوش رکھنے کی خاطر غلط بیانیاں کرتے رہتے ہیں وُہ بھی یقیناً بدترین سماجی دشمن ہیں۔

کشمیری پنڈت صاحبان کا ولی نعمت جب رات کی تاریکیوں میں کشمیر سے بھاگ گیا تو شیر کشمیر ان کے سینہ سپر بنے رہے اب جبکہ پرانی فرسودگیوں اور استحصالی جراثیموں کا صفایا کیا جا رہا ہے جس کا اثر براہ راست ان پر بھی پڑ رہا ہے تو ان کا کچھ عنصر تمام احسانات کو فراموش کر کے سیخ پا ہو رہے ہیں اور انواع و اقسام کی ریشہ دوانیوں میں مصروف عمل ہیں۔ پس رہے ہمارے دیرینہ کرم فرما ڈوگرے صاحبان۔ ان میں سے بھی اکثر اپنی

ناشائستہ حرکات پر نادم ہونے کی بجائے سو سالہ آمرانہ حکومت کی بازیابی کے خواہاں ہیں
الغرض شیر کشمیر کی فراخ دلی اور بلند نظریہ کا کہیں بھی کوئی احساس نہیں۔

انقلاب زندہ باد نعرہ لگانے والو! تواریخ عالم پر نظر ڈالیئے اور غور و فکر کے گھوڑے کو دوڑایئے اور اس کے ساتھ اپنے ملک کی حالت کا موازنہ کیجیئے تب آپ اندازہ لگا سکینگے کہ آپ کے قایدین کس طرح سینہ سپر بن کر کئی محاذوں پر شب و روز ایک کر کے آپ کی شان کو برقرار رکھتے ہیں سرگرم عمل ہیں۔ تین سو سالہ فرسودہ نظام کو نئے سانچے میں ڈھالنا آسان کام نہیں۔ نظم و نسق میں خامیاں ہوں، مجھے اس سے انکار نہیں نظام حکومت ابھی ابتدائی اور کٹھن دور سے گذر رہی ہے لیکن اس بنا پر ان کی احسن کارکردگیوں کو نظر انداز کرنا انصاف پر مبنی نہیں۔

حکام وقت سے بھی میری التماس ہے کہ وہ ہماری شایع کردہ "پیش کش" میں اس چٹھی کا بغور مطالعہ کریں۔ جو حضرت علیؑ نے مالک اشتر گورنر مصر کو لکھی ہے۔ یقین رکھئے کہ کلید کامیابی دہلی، کراچی، لندن اور امریکہ میں نہیں بلکہ فاقہ کشوں مصیبت زدوں اور مفلوک الحال عوام کے گھروں میں ہے۔ لوگوں پر تب ہی آپ کی فرمائشات اثر انداز ہو سکتی ہیں جب آپ خود ان پر عمل پیرا ہوں اور ماتحت افسروں اور ملازموں کے نام احکام جاری کریں کہ وہ لوگوں کے ساتھ سختی سے نہیں بلکہ اخلاق سے پیش آیا کریں اور آپ کو صحیح حالات سے آگاہ کیا کریں۔

زعمائے کانفرنس سے میری استدعا ہے کہ حلقہ کمیٹیوں کی غیر ذمہ داریوں کا جائزہ لیں کہ کس طرح اکثر عہدہ دار جانبداری سے کام لیکر غریب عوام پر مصیبت کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اگر عوام حکام کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں پر عہدہ داروں کا ہی اثر و رسوخ کام

کرتا ہے بلکہ میں نے یہاں تک محسوس کیا ہے کہ ملازمان سرکار پر بھی ان کا ایک رعب سا جما ہوا ہے اور منصفانہ کارروائی عمل میں نہیں لا سکتے۔ براہ کرم ہر علاقہ میں ایسی تربیت گاہیں قائم کریں جہاں پر کارکنوں کو اخلاقی اور سیاسی تربیت دی جائے اور ان کو اپنے فرائض سے آگاہ کیا جائے مجھے تو اس سے غرض نہیں کہ انتخابات کس وضع پر کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ لوگ اسے دھڑے بندی سے تعبیر کرتے ہیں میں تو مرحوم علامہ اقبال کے "گریز از طرز جمہوری" کا قائل ہوں۔ اور اس بات کا متفق ہوں کہ موجودہ نازک دور میں نامزدگیاں یا ڈکٹیٹرانہ انتخابات ہی حالات کا مناسب حل ہے مگر یہ طرز عمل اختیار کرتے وقت کارکنوں کے بلند کردار، اعمال حسنہ اور خلوص کا خیال رکھنا از حد لازمی سمجھتا ہوں۔ بہر حال موجودہ طریق کار کے مطابق کانفرنس کے آئین میں کم از کم یہ ترمیم کر دی جائے کہ کوئی بھی کارندہ حکومت کانفرنس کا عہدہ دار نہ بن سکے۔

مجلس اوقاف اسلامیہ نے آج تک شیعان کشمیر کے اوقاف کی طرف نہ کوئی توجہ دی اور نہ ان کے مذہبی رسومات کے اصلاح کی جانب کوئی قدم اٹھایا حتیٰ کہ اس ادارہ میں بھی شیعوں کو کوئی نمائندگی حاصل نہیں کیا میں یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ ہمیں ہر شعبہ زندگی میں آزادی کے مفادوں سے محروم رکھا جا رہا ہے اس قسم کا رویہ جہاں شیعان کشمیر کی ابتری کا موجب ہے وہاں لیڈران ملک و ملت کی فراخدلی اور [illegible] رواداری پر بھی حرف آتا ہے۔

آخر پر میں عوام سے اپیل کرونگا کہ وہ قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ کیطرف توجہ دیکر کسی اور جانب اپنے ارادوں کو مرکوز نہ کریں اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا و یکفر عنکم سیاتکم و یغفر لکم واللہ ذو الفضل العظیم (اے لوگو

اگر تم اللہ سے ڈرو اور اس کے حکموں کے آگے جھک جاؤ پھر تمہیں کسی چیز کے لئے بھی کسی دیگر تدابیر کرنیکی احتیاج باقی نہیں رہیگی - وہ تمہارے لئے دنیا میں عزت و اقبال کا ایک شرف امتیاز پیدا کریگا اور تمہاری تمام گمراہیوں کو معاف کر دیگا وہ تو سب سے زیادہ بخش دینے والا ہے)

ہم نے تو سترہ سال غیر ذمہ دارانہ حکومت سے اس خیال پر جد و جہد جاری رکھی کہ ہم اس کے تظلمات سے نجات حاصل کر کے آرام و آسائش کی زندگی بسر کر سکیں مگر اپنے اعمال و کردار کو جن کی برائی کی سزا میں وہ فرسودہ نظام ہم پر مسلط تھا بدلنے کی کوشش نہیں کی اور توقع یہ رکھی کہ ظالموں کو ختم کرنے سے ہی ہمارے دلوں کی مرادیں پوری ہونگی خواہ ہم کتنے ہی برے کرتوتوں کے مرتکب کیوں نہ ہوں - جو واقعی اب بھی روز افزوں ترقی پر ہیں جن کی زندہ مثالیں آپ کے سامنے ہیں غلہ دار اور تھوک فروشوں نے وہ ادھم مچا رکھی تھی کہ خدا کی پناہ - اگر حکومت بر وقت اشیائے خوردنی کا انتظام اپنے ہاتھ میں نہ لیتی تو ہمارا خدا ہی حافظ تھا میں نے ایسے ایسے اشخاص کو ان کاروائیوں میں حصہ لیتے دیکھا ہے کہ جو حاجی ہونے کے علاوہ دن رات اپنے جبینوں کو نمازوں سے رگڑ رہے ہیں اور تسبیح ہاتھ میں ہی ہوتی ہے آجکل بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ ذرا سے بادل ہوں یا بین الاقوامی صورت حالات میں کوئی تبدیلی ظہور پذیر ہو کرم فرما حضرات اپنے سارے سٹاک کو چھپائے رکھتے ہیں اور پوشیدہ طور مہنگے داموں فروخت کرنے لگتے ہیں اگر غریب بیچارے رات کی تاریکیوں میں اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کی خاطر جرم کے مرتکب ہوں تو وہ سزا کے مستوجب ہیں مگر بھیڑیئے نما انسان لباس شرفا و فضلا پہنے ہوئے دن دھاڑے بھی ڈھاکہ ڈالیں یا کوئی اخلاق سوز جرائم عمل میں لائیں تو نہیں

پوچھنے والا کوئی نہیں۔ اخلاقی گراوٹ تو اس قدر لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئی ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں کو مصیبت میں دیکھ کر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ اپنے ایک فلدیسہ کے فائدے کے واسطے دوسرے کو ایک روپیہ کا نقصان ہی کیوں نہ ہو پرواہ نہیں کرتے خصوصاً فرقہ وارانہ جذبات کے تحت تو ایک دوسرے کے مصائب والام پر بغلیں بجائی جاتی ہیں اور ہیچ قسم مصیبت زدگان کو جو ناگہانی آفات میں ہی مبتلا کیوں نہ ہوں۔ طعن وتشنیع کا شکار بنایا جارہا ہے۔

اگر ہمیں ماچی طبقہ کی حالت زار پر رحم آتا ہے لیکن اگر ان کے اکثر حصہ کے دیرینہ کاروائیوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سزا اس طبقہ کے لئے زیادہ نہیں ہے۔ اور ثابت ہوگا کہ ان کو مظلوم کہنے والا حق بجانب نہیں اب تو ہیکاری کی وجہ سے ان کی بد کاریاں اور بھی اضافہ کر گئی ہیں حکومت سے التجا ہے کہ وہ فوری طور مداخلت کر کے ان کو مزید تباہ کاریوں سے نجات دلانے کا انتظام کرے۔

دیہاتوں میں تو غلہ داروں کو اپنے غریب ہمسایوں پر کوئی رحم نہیں آتا۔ حکومت کی طرف سے ان کو جو رسد مل رہی ہے، یا تو وہ غیر مکتفی ہے ورنہ یہی حضرات اثر ورسوخ کو کام میں لاکر اسے بھی خورد برد کر رہے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر یہ مفلوک الحال دیہاتی انواع واقسام مصائب کے شکار ہوتے ہیں مزید برآں شالی فراہم کرنے والے اور رسد تقسیم کرنے والے ملازمان بھی کوئی منصفانہ اور غیر جانبدارانہ کاروائی عمل میں نہیں لاتے ہیں جس سے ان غریبوں کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اب جبکہ حکومت نے قوانین بہبودی کاشتکاران کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ توقع ہے کہ اگر تحت ملازمان دیانتداری اور غیر جانبداری سے کام سرانجام دیں، تو بہت حد تک مشکلات کا حل ہو جائیگا۔ اس صورت میں حکومت کیواسطے

یہ بہتر رہیگا کہ صرف سرینگر اور سیلاب زدہ دیہاتوں کی رسد کا انتظام اپنے ذمہ لے ہاں یہ ضروری ہے کہ ہیر بجری اور حضرت بل کو سرینگر میں شامل کر کے حقوق شہریت ان کو میسر کیئے جائیں۔

دنیا میں اس وقت جو بھی تخریبی کاروائیاں عمل میں آرہی ہیں اور ناگہانی آفات یکے بعد دیگرے نازل ہو رہی ہیں در اصل پردۂ غیب سے ایک مدت کے بعد ہمارے بڑے کارناموں کے بموجب خداوند کریم کو ایک نئی دنیا آباد کرنا مقصود ہے لہذا یہ خیال کرنا کہ ہماری مشکلات کو رفع کرنیکی جدوجہد میں خداوند کریم کی کرشمہ سازیاں حائل ہیں سراسر لغو اور بہتان ہے در اصل ہمارے اپنے اعمال و کردار اس قابل نہیں کہ ہم اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ شیر کشمیر کے اس قول سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ "ایک گانٹھ کو کھولتا ہوں تو دس اور گرہ سامنے آجاتی ہیں" دعا کریں کہ خداوند کریم ہمیں اس نازک دور میں گذرنے کی ہمت دے۔ سچ پوچھئے اس کی ساری ذمہ داری ان حضرات پر ہے جو میدان سے ہٹ کر تحریک حریت کے خلاف ہمہ قسم حربہ لیکر میدان میں اتر پڑے کاش ان میں قوم اور وطن سے ذرہ بھر ہمدردی ہوتی تو اصولی اختلافات کی بنا پر وہ علیحدہ بھی قوم کی خدمت بطریق احسن انجام دے سکتے تھے۔ اسلام کے مطابق مذہب اور سیاست دو جداگانہ چیزیں تو ہیں نہیں۔ قوم کو مذہبی، اخلاقی اور تمدنی طور اس قابل بنا سکتے تھے کہ آزادی ملنے پر اس کا لطف صحیح طور ہم اٹھا سکتے یہ جو آپ کے سامنے اسوقت مشکلات درپیش ہیں ان کی اپنے فرائض سے کوتاہ اندیشی اور سیاسی دھڑے بندی کا نتیجہ ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر رہنماؤں نے غلطیاں نہ کیں یا اب نہیں کرتے ہیں۔ صرف انبیاء اور اولیاء ہی ایسے نقائص سے منزہ اور پاک ہیں لیکن یہ غلطیاں نہیں

بلکہ ذاتی وقار کو قایم رکھنے کی خاطر غلط طریق اختیار کرتے رہے جس سے نہ صرف وہ خود ذلیل ہوئے بلکہ قوم کو بھی تباہ و برباد کیا۔

دنیا میں چونکہ کمزور قوموں کے لئے آزادانہ زندگی بسر کرنا ناممکن مسئلہ بن چکا ہے اگر بہر صورت کشمیر کا الحاق ہندوستان اور پاکستان میں سے ایک کے ساتھ ضرور ہونا ہی ہے تو انجمن اقوام متحدہ اگر واقعی امن و امان کی خواہاں اور کمزور قوموں کی محافظ ہے۔ تو اس پر فرض عاید ہوتا ہے کہ ایسے ذرایع پیدا کرے کہ بھارت اور پاکستان کی فوجیں سرحدات کے باہر تعینات ہوں اور ہمیں اکٹھے ملنے کا موقعہ دیا جائے۔ ممکن ہے ہمارے رہنما حضرات جذبات اور رنجیدگیوں سے بالاتر رہ کر اب کوئی متفقہ فیصلہ کر سکیں۔ اور اس بدقسمت سرزمین کا جس کی ہر سلطنت کو ضرورت ہے کوئی مناسب حل نکل آئے ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کوریا کی مثال یہاں پر بھی قایم نہ ہو۔

شیعہ فیڈریشن کی سرگرمیاں

فیڈریشن کے سامنے کون سے مسائل حل طلب ہیں ان کا تذکرہ "پیش کش" میں مفصل دیا ہے۔ اب ممبران فیڈریشن کی تمام تر توجہ شیعان کشمیر کی اندرونی اصلاح و بہبودی کی جانب مرکوز ہوئی۔ اس سلسلہ میں سر دست ایک خصوصی اجلاس میں قرار پایا کہ سب سے پہلے قضیہ اوقاف کا تصفیہ کیا جائے کیونکہ یہی مسئلہ بنیادی تفرقہ کا باعث چلا آتا ہے اور مزید برآں ہر تعمیری کام کی راہ میں سد سکندری کی طرح حائل ہے چونکہ محرم کے ایام قریب تھے اس لئے راقم الحروف نے صدر اوقاف اسلامیہ جناب شیخ محمد عبداللہ کی توجہ اسطرف مبذول کی۔ انہوں نے فرقہ قدیم و جدید کے مولویوں اور دیگر اکابرین قوم کو اپنی قیام گاہ پر

طلب کیا۔ ایک لمبی گفتگو کے بعد طے پایا کہ روز عاشورہ علی الصباح امام بارہ جڈی بل میں جبکہ جلوس روانہ ہو فرقہ جدیدہ کے علمبردار آغا صاحب موعظہ فرمائیں اور شام کو بوقت اختتام جلوس جناب مولوی صاحب امام بارہ حسن آباد میں وعظ خوانی کے لئے تشریف لائیں۔ اس کاروائی سے جہاں علما حضرات ایکدوسرے کے امام باڑوں میں ایک طویل مدت کے بعد داخل ہوئے وہاں یہ بھی کم پُر لطف بات نہیں کہ آغا صاحب اور مولوی صاحب کی پہلی ملاقات عوامی وزیر اعظم کی وساطت سے ہوئی۔ بہر حال یہ متبرک دن بخیرو خوبی انجام پایا۔ صدر اوقاف اسلامیہ نے بھی جلوس روانہ ہونے سے قبل ایک فاضلانہ تقریر فرمائی صرف ایک نامرغوب واقعہ یہ پیش آیا کہ متعلقہ حضرات نے باوجود وعدہ سامان آرائش مہیا کیا اور امام باڑہ کی ظاہری زینت نہ ہو سکی۔

کچھ مدت کے بعد راقم الحروف اپنے چند رفقا کے ہمراہ آغا صاحب اور مولوی صاحب سے ان کے دولتکدوں پر ملاقی ہوا۔ اور صاف الفاظ میں اپنے مقاصد ان کے سامنے دہرائے جو جوابات ان سے ملے من وعن ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

آغا صاحب نے فرمایا " مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ شیعان کشمیر ذلیل ہیں یا ان کو کسی چیز کی کمی ہے بلکہ آپ لوگ ہی انہیں اس رنگ میں پیش کر رہے ہیں موجودہ زمانہ میں ہماری حالت یہی موزون ہے جب تک حضرت حجتؑ ظہور فرمائیں گے "

واعظ لوگوں کو جنت میں نہ ہوگا کوئی کام　　جوہر ذاتی دکھانے کیلئے ہے یہ مقام
اس جہاں کی زندگی ہے کام کرنے کے لئے　　یہ نہیں خلد بریں آرام کرنے کے لئے

مولوی صاحب نے فرمایا " ہمیں آپسمیں کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی کوئی تفرقہ ہے بلکہ اقتصادی اور تعلیمی طور بھی ہم دیگر فرقوں سے نسبتاً بہتر ہیں " اس سے قبل صاحب

ممدوح نے وزیراعظم کے سامنے بھی یہی الفاظ بیان فرمائے تھے جس سے وزیراعظم قدرے رنجیدہ خاطر ہوئے تھے۔

ان کی دنیا ہے فقط حجرہ ہے انکی زمین عالموں کے نظریہ میں اس لئے وسعت نہیں

ان دونوں کلاموں پر غور کر کے ناظرین بہت کچھ اخذ کر سکتے ہیں میری تشریح کی ضرورت نہیں۔ دعا کریں کہ خداوند کریم ہمیں عقل سلیم عطا کرے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کرے

اب مجلس اسد چونکہ قریب تھی جناب آغا صاحب نے جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب کو ایک خط کے ذریعہ آگاہ کیا کہ امام باڑہ جڈی بل کے قضیہ تولیت کے بموجب وہ (آغا صاحب) اس امام باڑہ میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں اس لئے راقم الحروف کو تنبیہہ کرے کہ میں اس کو وہاں آنے کے لئے مجبور نہ کروں۔ یہاں پر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ محرم کے موقع پر صاحب موصوف نے ہیچ قسم کوئی اعتراض نہیں کیا تھا ورنہ اسی مجلس مفاہمت میں اس کا تصفیہ بھی لازمی ہو جاتا۔ جہاں کہ ان فریقین کے علاوہ وزیراعظم صاحب بھی تشریف فرما تھے چنانچہ آغا صاحب نے امام باڑہ جڈی بل میں عوام کے سامنے شیر کشمیر کا شکریہ کرتے ہوئے اس بات کی تائید کی تھی کہ چھتر سال کے بعد عوامی راج کی بدولت ہمارے اس قضیہ کا تصفیہ ہو گیا۔ لیکن مولوی صاحب وہاں پر بھی بخیال خود ہوشیار ثابت ہوئے جب امام باڑہ حسن آباد میں وعظ فرمایا۔ تو شکریہ کرنے سے نہ صرف ہی انکار کیا بلکہ آغا صاحب پر بھی اظہار تشکر کے واسطے برس پڑے

مجلس اسد کے موقعہ پر ہم نے آئینی طور دونوں حضرات کو دعوت دی جو کہ مسترد ہوئی۔ اس موقعہ پر شیر کشمیر کی صدارت میں ایک ریزولیوشن پاس ہوا جو جامع المتفرقین ۳ ص۱۰۴ میں من وعن درج ہے۔ جس میں فیڈریشن سے مطالبہ کیا گیا کہ ایک علماء کانفرنس

منعقد کر کے اوقاف کے مختلف شرمناک مسایل طے کرنے کے علاوہ امام باڑہ جڈی بل کے غصب و مباح کے سوال کو ختم کر دیا جائے۔ اس تجویز کو عملی صورت دینے کیخاطر فیڈریشن کا ایک وفد جملہ علمائے کرام سے فرداً فرداً ملاقی ہوا۔ اور راقم الحروف کے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی جو انہوں نے بکمال مسرت قبول فرمائی بلکہ راقم الحروف کو آغا صاحب اور مولوی صاحب نے بڈگام اور احمد پورہ کی مجالس میں بالترتیب تقریر کرنے کی اجازت دی جو فرائض میں نے اپنے اپنے موقعوں پر انجام دیئے۔ کانفرنس کا وقت جوں جوں قریب آیا توں توں مخالف عنصر کی سرگرمیاں بھی تیز تر ہوتی گئیں جو اس اجتماع کو ناکام دیکھنے کے متمنی تھے۔ حیرانگی تو اس بات کی ہے کہ ایک دو علماء کو بھی اس ناشائستہ حرکت کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ لیکن ہماری بروقت مداخلت سے آغا سید قاسم شاہ صاحب گون احمد پورہ کو تو ہم قابو کر سکے۔ لیکن آغا سید احمد صاحب نابدی پورہ کو سنبھالنے میں کامیاب نہ ہوئے حالانکہ اس نے خود شمولیت کی دعوت بغیر کسی اعتراض کے قبول کی تھی۔ سچ پوچھئے صاحب ممدوح ہر قسم کارروائیاں کرنے میں کسی حد تک حق بجانب بھی تھا۔ ابتدا میں امام باڑہ جڈی بل میں داخلہ مباح سمجھ رہے تھے۔ جب آغا صاحب بڈگام کے ہاں رشتہ قائم ہوا۔ تو غصبیت کا فتویٰ دے مارا۔ اور جوں ہی رشتہ ختم ہوا۔ تو پھر اس کی نظر میں امام باڑہ مباح ہوا۔ اسی شرمندگی سے بچنے کی خاطر اس نے یہ سارا جال بچھا دیا۔ جس کا آغائے موصوف نے خود میرے رفقاء کے سامنے اقرار کیا۔ بہرحال آغا صاحب بڈگام کے ہاں تو کامیاب نہ ہوا۔ لیکن مولوی صاحب سے دعوت رد کروانے میں کامیاب ہوا۔

کانفرنس انجام پائی جسکی کارروائی جامع المتفرقین ۲۳۔۲۵ میں مفصل درج ہے۔

ایک بات یہاں پر گوش گذار کرنی ضروری ہے کہ علما حضرات جب محفل میں رونق افروز تھے ان کے رفتار گفتار سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ یہ آپسمیں متفق نہیں بلکہ جب نماز ظہر وعصر کا وقت آیا۔ سب نے اپنی اپنی راہ لی اور ہمارے بزرگان دین کی یہ مجلس ہم پر کوئی نیک اثر ڈالنے میں ناکام رہی۔ ہمچو قسم کانفرنس تو کئی سال قبل حاجی صفدر علی صاحب نے بھی مدعو کی تھی جس کے انجام کار اسے ندامت اٹھانا پڑی تھی۔

اس افراتفری کے دوران میں تیسرا محرم آیا۔ اور حسب دستور جلوس عاشورہ ایک امام باڑہ سے نکال کر دوسرے امام باڑہ میں ختم ہوا۔ مگر اختتام پر مخالف عنصر کی غیر دانشمندانہ کاروائیوں سے راقم الحروف کی اپنے ایک خاص دوست کے ساتھ خلاف توقع حرکات عمل میں آئیں جو احباب کی بروقت مداخلت سے رفع ہوئیں اور خاتمہ بالخیر ہوا۔

ممبران فیڈریشن نے اب میری سرکردگی میں شہر و دیہات کا دورہ شروع کیا۔ مسئلہ اوقاف کے بنیادی نقائص دور کرنا بھی مقصود تھا۔ لوگوں کو منظم کر کے حلقہ کمیٹیاں قائیم کیں۔ ایک کانفرنس بلانے کا خیال تھا لیکن چند وجوہات کی بنأ پر اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ جس کا تذکرہ اپنے مقام پر آئے گا۔ لیکن معرکہ دار حضرات کے ساتھ فریقین کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے صلح نامہ عمل میں لایا جس کا نقل جامع المتفرقین ع ۴ میں درج ہے جس کی رو سے جہاں معرکہ دار حضرات کی رضامندی سے فرقہ جدید کا شکوہ رفع ہوا وہاں فرقہ قدیم کا کوئی صاحب بھی عصبیت کے جرم میں ماخوذ نہ ہوا۔ اب بقیہ شرائط کو عملی جامہ پہنانا مجلس اوقاف کا کام ہے جس کی بنیاد ڈالنا فیڈریشن کا سب سے پہلا مقصد ہے۔

میرے رفقار تو خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں لیکن میں سمجھ رہا ہوں کہ ہمیں ایک ایسے قوم سے واسطہ پڑا ہوا ہے جو ان بھیڑوں کی طرح ہے۔ جب قصاب ان میں سے ایک بھیڑ کو لے رہا ہے۔ تو تھوڑی سی جھرکت لگنے کے بعد وہ پھر گھاس کھانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ موجودہ انقلاب سے ہم کو قسم ایک جنبش ان کو لگی اب پھر حسب دستور اپنے اپنے گھر بانوں کے پیچھے ہوئے۔ یہ لوگ تو تقدیر کے ہیر پھیر میں مبتلا ہیں یا ظہور رجعت علٰی تک تارک دنیا رہنا اپنے لئے سرمایہ حیات سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ ان کی بھول ہے میں یہاں پر حضرت علی ؑ کے چند مقولے پیش کرتا ہوں جو امید ہے آپ کے لئے سرمایہ بصیرت ثابت ہوں۔ فرماتے ہیں :۔

"دین کے نزدیک اس قدر ہو جاؤ جان لو ابھی مرنا ہے اور دنیا کے اس قدر قریب ہو جاؤ کہ سمجھ لو ہمیشہ یہاں ہی رہنا ہے"

تقدیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ "یہ گمان کہ قضا و قدر لازمی اور حتمی ہوتا ہے یعنے انسان مجبور ہے کہ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے اگر ایسا ہوتا تو پھر جزا و سزا، خوشخبری اور دھمکی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس بات کا حکم دیا ہے اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ آزاد ہیں۔ ہاں ان کو بری باتوں سے ڈرا کر منع کیا ہے آسان آسان باتوں کا حکم دیا ہے۔ دشوار باتوں کی تکلیف ہی نہ دی"

متواتر تیس ۳۰ سال سے ہم دیکھتے آئے ہیں کہ قوم کی کشتی کس تباہی، بربادی اور ہلاکت کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے جس سے کہ اس کی جڑیں کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں۔ اور اس کے سدباب میں ہمیں کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے ہیں

چند ایک مثالیں ذیل میں درج کرتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک قوم یا جماعت تب تک اصلاح پذیر نہیں ہو سکتی اور نہ اسمیں ترقی کا احساس پیدا ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کو اپنی کمزوریوں اور غلطیوں سے آگاہ نہ کیا جائے تاکہ قوم کو اپنی بے بسی کا احساس ہو۔ اور ان تمام فاسد مواد کے دور کرنے کے لئے عملی تدابیر اختیار کر کے روبہ ترقی ہو جائے اور مہذب اور شائستہ اقوام کے ہمدوش ہو سکے علاوہ ازیں غیور انسانوں کی اصلاح کا علاج اسی میں ہے کہ ان کی خامیوں کو مشتہر کیا جائے تاکہ وہ راہ راست کو اختیار کر سکیں۔

(۱) محرم کے متبرک ایام کو لیجئے۔ رات بھر کی مرثیہ خوانی کے بعد بعض لوگ عین نماز کے وقت سو جاتے ہیں۔ بروز عاشورہ کہیں پر ظہر و عصر کی نماز جماعت کا انتظام نہیں بلکہ بعض تھکے ماندے لوگ اختتام جلوس پر ہی بستر استراحت پر لیٹ جاتے ہیں اور دوسرے روز طلوع آفتاب کے بعد تک سوئے ہوتے ہیں۔ انصاف پسند حضرات غور فرمائیں کہ جو حسینؑ نیزوں اور تیروں کے درمیان میدان کربلا میں وقت نماز آنے پر سربسجود ہوتے ہیں ان کے بہ پیرواں ان کے حکم کے خلاف کس طرح نافرمانی خدا کر رہے ہیں۔ اور حقدار جنت ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ برادران اسلام پر ہماری اسقسم ناروا حرکات سے کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

(۲) نماز جماعت کا کسی بھی جگہ رواج نہیں۔ سب اپنے اپنے گھروں میں فریضہ پنجگانہ ادا کرتے ہیں حالانکہ پیش نماز کے لئے کوئی لمبی چوڑی پابندی نہیں۔ ایسا شخص ہر محلے اور گاؤں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ نیز مسجدوں کے فرش پر گرد و غبار کا ایک موٹا تہہ جمع ہوتا ہے اور کوئی صفائی کرنے والا نہیں۔

(۳) نماز جمعہ کا تو سرے سے ہی بائیکاٹ کیا گیا ہے اور ایسے ذرایع پیدا نہیں کئے جاتے جن سے فلسفۂ اسلام کا یہ بہترین اور سنہری اصول قایم ہو سکے بلکہ توجہ انوں نے اس کی داغ بیل ڈالدی تو مخالفت میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے گئے۔

(۴) نذر و نیاز، تعظیم و تکریم کی درجہ بندیوں کے طریقے اور رسم و رواج ایسے بیہودہ اور شرمناک ہیں کہ ذکر ہی نہ کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ نذر و نیاز کرنا ہو یا سوگند لینا ہو۔ ان کے لئے خداوند کریم کی ذات اقدس بروی اسلام مخصوص ہے لیکن یہاں کا بھاوا آدم ہی نرالا ہے۔ جرئت و احتیاط طبقہ بالا سے نہیں بلکہ بندے کو آقا پر فوقیت دیکر ہی دل کی اطمینان حاصل ہوتی ہے حج کا لوگوں میں اسقدر شوق نہیں جتنا زیارت کربلا معلیٰ کا ہوا کرتا ہے۔ اکثر بار زیارت پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے اور حج کو جانے سے جی چراتے ہیں

(۵) عیدین ہوں یا بزرگان دین کے ایام تولد، ایام وفات ہوں یا ایام شہادت لوگ بجائے اس کے کہ ان کی سوانح حیات کو اپنے لئے مشعل راہ اختیار کر کے ان کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کرتے، لذیذ کھانوں اور فاخرہ لباسوں سے منا رہے ہیں۔ یا خلاف شرع اجتماع زن و مرد میں شادمانی یا ماتم داری کر کے اسے فرائض اسلام کی بجا آوری خیال کرتے ہیں اور پابندی پردہ کا طریقہ بھی سب عورتوں پر حاوی نہیں۔ اس میں طبقاتی امتیاز روا رکھا جاتا ہے۔

(۶) جناب شیخ علی اصغر صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ جو قریب قریب درجہ اجتہاد پر فائز تھے ایک مولوی صاحب کے (جو بدقسمتی سے انقلابات زمانہ کی بنا پر گدھی سنبھالنے کے واسطے مجبور ہوئے ہیں) سامعین میں زانوئے ادب تہہ کر کے وعظ سن رہے تھے تو ایک روز مولوی صاحب کے ایک مرید نے یہاں تک ان سے عرض کرنے کی جرأت

کی کہ آپ مولانا صاحب کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ اس سے ان کے وقار میں اضافہ ہو جاتا۔ خدا مرحوم کو غریق بحرِ رحمت کرے۔ بڑے حاضر جواب اور مزاقی طبیعت کے مالک تھے جواب میں فرمایا "پڑھونگا جی ذرا داڑھی مونچھ تو ہونے دو"

(۷) تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ میں ایک دعوت پر گیا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کم عمر آغا صاحب جو چند ماہ عراق کی سیر کر آئے ہیں تکیوں کا آسرا لئے ہوئے اس کے بائیں جانب سامعین کے درمیان معمر عالم و فاضل سید بزرگوار بیٹھے ہوئے آغائے مذکورہ کی ونائیات پر آمنا و صدقنا کر رہے ہیں۔

(۸) جڈی بل میں دو عالم و فاضل رہتے ہیں جو ایک دوسرے کے ہمسایہ ہیں۔ ان کے سر پر ممبرداری کا کوئی تمغہ یا سہرا نہیں اور نہ کسی وقف کے ہی مالک ہیں جس پہ کوئی جھگڑا چل جاتا۔ لیکن پھر بھی روایات کو برقرار رکھنے کی خاطر سالہا سال آپس میں بیت الخلاء کے جائے مقام پر قضیہ رہا جس پر دونوں جانب سے اپنے اپنے اثبات میں مذہبی کتابوں سے احکام شرع شریف دکھائے جاتے رہے۔

(۹) امام باڑوں کے ملحق مرحوم سید صاحبان کے آستانجات قائم کئے گئے ہیں جہاں پر عوام سے نذر و نیاز لیا جاتا ہے کیا مجال کہ کوئی بھی شخص ان کو نظر انداز کر کے اپنا نذر دربار حسینی ع میں چڑھا سکے۔

(۱۰) کسی امام باڑہ کے ساتھ نہ غسل خانہ ہے اور نہ بیت الخلاء جو اسلامی فرائض میں شامل ہے اس قدر شرمناک صورت سے زن و مرد کے اجتماع میں مقبروں اور راہ گذروں پر قضائے حاجت اور طہارت کیا جاتا ہے جو سراسر خلاف تہذیب ہے میں نے بڈگام کے امام باڑہ کے ساتھ ایک حوض پانی کا بغیر کسی پردہ پوشی کے اور ایک

بیت الخلاء جس کا تالا لگا تھا دیکھا ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بیت الخلاء جناب آغا صاحب کے واسطے ہے کسی اور کو اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

(۱۱) ایک عالم صاحب نے اپنی آمدنی کا ایک عجیب غریب ذریعہ قائم کیا ہوا ہے کربلائے معلی سے روضۂ مطہرہ کا ایک شبیہ خرید کر لایا ہے جسے اپنے دولت خانہ کے ایک کمرہ میں نصب کر کے ایک مصنوعی قبر بھی تیار کی ہوئی ہے۔ پردے لگے ہیں اور لوگ نذر و نیاز چڑھا رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں غربا نوازی کا ایک مسلمہ ثبوت ہے۔ یہاں پر ہی اُن کے لئے کربلائے معلی کی زیارت قائم کی گئی ہے۔ الغرض سید صاحب اپنے حلوے مانڈے میں محو ہیں۔

(۱۲) فرقہ قدم کے اکابرین نے امام باڑہ جڈی بل کا سامان آرائش اس وجہ سے ضبط کیا ہوا ہے اور دربار حسینیؑ کی زینت میں اس لئے مخل ہوئے ہیں کہ امام باڑہ کا قبضہ کیوں ان سے چھین لیا گیا ہے۔ اور اس تیس سالہ قضیہ کا کیوں تصفیہ کیا گیا۔ حالانکہ ان سے بار بار استدعا کی کہ جب تک مجلس اوقاف عمل میں آئے مجالس کے موقعوں پر آپ سامان آرائش سجا لیا کریں ہم نقصان وغیرہ کے ذمہ دار ہیں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ ان حضرات سے کیا گلہ کروں۔ اس سے زیادہ حسرتناک ۱۳ رجب کا واقعہ ہے جسے چند تعلیمیافتہ حضرات بڑی دھوم دھام سے منا رہے تھے جب ان کے ترک کرنے پر ہم نے یہ تقریب اپنے ذمے لی تو ان حضرات نے بھی عدم تعاون کیا۔

(۱۳) جناب آغا صاحب امام باڑہ بڈگام کا دعوائے ملکیت کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ انہوں نے اسے محض خانگی وسعت کی بنا پر تعمیر کیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ غریب عوام نے اس کے اخراجات کا سارا بوجھ برداشت کیا ہے۔

(۱۴) امام باڑہ احمد پورہ کو تعمیر کرنے کے لئے عوام الناس نے ہزاروں روپے چندہ کی صورت میں دیا مگر آج تک اس کی بنیاد نہیں ڈالی جاتی معلوم نہیں یہ زر کثیر کس کے پاس امانت ہے۔ کوئی حساب عوام کو نہیں دیا جاتا۔

(۱۵) تعلیم دین و دنیوی کا کوئی انتظام نہیں جس کے متعلق صحیح فرمان ہے۔ العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ۔ اب چند ایک ایسے مدارس کی بنیاد آغا صاحب نے ڈالی ہوئی ہے جن کا بچوں کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ تضیع اوقات اور روپیوں کا ناجائز استعمال ہے بلکہ یہاں تک سننے میں آیا معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے کہ اتالیق اور اساتذہ کو مقرر کرتے وقت موسویوں کو رضویوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔

(۱۶) رسومات قبیحہ اور فضول خرچیوں کے انسداد کے لئے کوئی اقدام نہیں اٹھایا جاتا۔ نہ کوئی حرف زبان سے اس کے خلاف نکالا جاتا ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں مُلا حضرات خود اس کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ ان کے لئے یہ ایک خاص آمدنی کا ذریعہ ہے۔

(۱۷) عزاداری میں ایسے قبیح رسم و رواج قائم کئے گئے ہیں اور مرثیوں میں ناشائستہ اور خلاف عقل کلام درج ہیں جس سے اس کی تبلیغی نوعیت سراسر کالعدم ہو چکی ہے۔ بلکہ دنیا کے سامنے جہالت کا ایک نمونہ پیش ہو رہا ہے جس سے اسلام پر حرف آتا ہے ذاکرین کا بھاؤ آدم ہی نرالا ہے۔ ان کی خلاف تہذیب کارروائیاں اور بھی باعث شرم ہیں، علما حضرات کبھی اس میں شرکت کرتے ہی نہیں۔ حقیقت میں ان رسوم کو بجا لانا علماء کا کام ہے نہ کہ جہلا کا! شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی نے ذاکر سے کیا خوب کہا ہے

آہ جو تعلیم تھی جی سے گذرنے کیلئے   اس کا استعمال ہو اور پیٹ بھرنے کیلئے

(۱۸) لوگوں کے اقتصادی ڈھانچہ، یتیموں اور بیواؤں کی بہبودی اور آبادکاری

کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ نتیجہ کے طور پر شہر و دیہات میں شیعوں کی ایک کثیر تعداد یا بھیک مانگ رہی ہے یا شرم کے مارے فاقوں مر رہی ہے۔ سرمایہ دار حضرات غیر ضروری عنوانوں سے روپیہ پانی کی طرح بہاتے رہتے ہیں۔

(۱۹) لین دین اور وراثتی جھگڑوں میں تقریباً سارے شیعہ مبتلا ہیں اور روز بروز ہر گھر کے لئے یہ مسئلہ پیچیدہ بنتا جاتا ہے اور یہی ان گھروں کی بربادی کا باعث بنتا ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو گھر کیا محلے اور گاؤں خالی ہو جاتے ہیں۔

(۲۰) اوقاف کی حالت اجتماعی طور ناگفتہ بہ ہے نہ کوئی مرکزیت ہے اور نہ خاطر خواہ دیکھ بھال۔ نذر و نیاز کے طور پر جو بھی کم و بیش رقومات آتی ہیں یا تو وہ ناجائز طور خرچ ہوتی ہیں یا پیر صاحبان خورد برد کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ قومی جائیدادیں روز بروز تباہ و برباد ہو رہی ہیں۔

(۲۱) بیت المال۔ اس کا تو سرے سے ہی خاتمہ کر لیا گیا ہے۔ جب ہم نے آواز بلند کی تو نماز جمعہ کی طرح غلط طریقہ پر عوام کے سامنے اسے پیش کر کے ہمارے خلاف ایک حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہزاروں روپیہ ہر سال یا تو عراق بھیج دئے جاتے ہیں یا غیر مستحق انسانوں میں تقسیم کر کے خرچ کئے جاتے ہیں نہ ملک کے حاجتمند لوگ ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ دیگر ضروریات کی طرف توجہ دی جاتی ہے اسی اندازہ سے ان روپیوں کو ضایع کیا جاتا ہے گویا یہاں یہ لوگ مکمل طور فارغ البال ہیں اور دوسروں کی امداد کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ کس قدر افسوسناک ہے کہ یہاں پر ہمارے اپنے قوم کے اکثر لوگ نان شبینہ کے محتاج ہیں مگر زکواۃ فطرہ وغیرہ قسم کے رقومات بھی ان کی بہتری کے لئے استعمال میں نہیں لائے جاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ مد ہم خود خرچ نہیں کر سکتے ہیں اور مجتہدین کی اجازت کے محتاج ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہمیں اپنے فرقہ کی ضروریات کا جائزہ لیکر مرکز کو آگاہ کرنا فرض ہے ہم نہ صرف یہاں کے روپے ہی اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں بلکہ ان سے ضرورت پڑنے پر امداد حاصل کر سکتے ہیں جبکہ ہمارے پاس اپنا بیت المال ہو تو بوقت ضرورت وظائف وغیرہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے واسطے لڑکوں کو عراق بھی بھیج سکتے ہیں

کب مسلمان کا نظر آئیگا حسنِ انتظام دیکھئے کب اسکی بیت المال کا ہوگا انتظام

عالموں نے اس فریضہ کی نہ کچھ تنظیم کی حکم قرآن کا سنا کچھ لیا اور راہ لی

مجھے یہاں پر ایک جرمن فلاسفر جس کو شیعوں کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں کا مقولہ یاد آیا۔ وہ کہتا ہے کہ شیعوں میں تین چیزیں ایسی ہیں کہ ایک روز یہ لوگ ترقی کر کے ساری دنیا پر حاوی ہوں گے۔

(۱) مسئلہ اجتہاد، علماء و فضلاء کا منتخب کردہ مجتہد دنیا کے تمام شیعوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے وقت اور زمانہ کے مطابق چلا سکتا ہے۔ اور وہ اس کے عقیدتاً تابع فرمان ہیں

(۲) انتظار صاحب الامرؑ۔ یہ لوگ ہر شام یہ نیت کر کے سو جاتے ہیں کہ صبح اٹھکر ہم نے سارے عالم کا بادشاہ بننا ہے خواہ اس میں کوئی مذہبی حقیقت بھی نہ ہو لیکن یہ عقیدہ ان کی کامیابی کے لئے اس قدر موثر ثابت ہوگا کہ وہ ہر طرح ساز و سامان سے لیس ہو کر اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

(۳) عزاداری یہ ایک ایسا تبلیغی ادارہ ہے کہ خواہ مخواہ ایک غیر شیعہ کا رجحان طبع بھی اس بلند پایہ ہستی اور میدان کربلا کے دلگداز سانحہ کی طرف مرکوز اور ان کے مذہب کی حقیقت کی طرف مائل ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک وقت دنیا میں یہ فرقہ اکثریت حاصل کریگا۔

اے زمانہ سلف کے ناخداؤ اور زمانہ سازو! ذرا غور و فکر کرو اور سوچو کیا تم میں یہ کیفیتیں موجود بھی ہیں جو اس دور افتادہ فلسفہ دان نے بیان کی ہیں۔ اب تو نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ میرے ایک معزز ہندو دوست کو جب معلوم ہوا کہ میں شیعہ ہوں تو کہنے لگا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے گویا مجھ جیسا ناچیز زمانہ شناس اور آزادی پسند شخص بھی شیعہ نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ اس قوم کی حالت بنائی گئی ہے جس کی شاندار روایات میں مختلف کہاوتیں ابھی تک مشہور ہیں۔ اب تو حالت یہ ہے کہ اپنے آپ کو شیعہ کہنے سے شرماتے اور ڈرتے ہیں اگر ذرا غفلت سے کام لیا گیا۔ تو وہ وقت دور نہیں جب آپ لوگوں کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ جائیگا اور وہی حالت ہوگی جو سپین میں ہمارے بھائیوں کی ہوئی تھی۔ سر سید مرحوم اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ "میں جب سپین گیا تو ایک روز ٹانگہ پر سیر کو جا رہا تھا کہ ٹانگے والے نے ایک ٹکرے ہوئے انسان کو جو ننگے پیر، ننگے سر، چیتھڑے پہنے ہوئے راستے کے کنارے کنارے چل رہا تھا ایک چابک مارا۔ میرے اعتراض کرنے پر ٹانگہ والے نے جواب دیا کہ یہ ان مسلمانوں میں سے ہے جنہوں نے سات سو سال ہم پر حکومت کی ہے"

تواریخ دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہاں پر بھی ہمہ قسم خامیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ جو اب بھی ہم میں موجود ہیں۔ ہاں ایک چیز ہیں شیعان کشمیر نے اپنی شان برقرار رکھی کہ زمانہ سے ٹکرلے کر وراثت قدیمی اور خاندانی روایات کی خاطر اپنے ہی دیرینہ پیشوں کے ساتھ چمٹے رہے۔ اراذل اور اجلاف پیشے جنہیں سمجھتے رہے ان سے چھو تک بھی نہیں اس پر جتنا بھی فخر چاہیں کریں۔ بریں عقل و دانش بباید گریست کجا بود مرکب کجا تاختم۔ یہ ہیں حالات و حوادث ہمارے فرقہ شیعہ کے اگر لکھنے

بیٹھوں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ بہر حال اہل الرائے حضرات کے لیئے اسقدر کافی ہے۔

گر ہمیں مکتب است ہمیں ملا کارِ طفلاں تمام خواہد شد

آج تک تو گول مول باتوں سے کوئی خاص نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ اس لیئے ذرا وضاحت سے روشنی ڈالنا پڑی۔ توقع ہے کہ متعلقہ حضرات معاف فرمائیں گے۔ ساتھ ہی اس صاف گوئی کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ میں اور میرے اسلاف ہیچو قسم آلائشوں سے پاک و صاف ہیں۔ میرے والد ماجد مرحوم علی محمد کربلائی صاحب وقت کے ایک فاضل ترین عالم جناب آغا سید مہدی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کے پیرو تھے اور میرے والد مرحوم ابو الحامد منشی حسن علی صاحب اپنے دور میں جناب مولانا مولوی حیدر علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کے ساتھ وابستہ رہے۔ جو کہ اپنی مثال آپ تھے میری باری آئی تو جناب آقا شیخ عبد العلی صاحب کو اپنا مذہبی رہنما منتخب کیا۔

اب میرا شیعان کشمیر سے مودبانہ التماس ہے کہ کوئی سنجیدہ انسان دنیا کے زبردست محسنِ انسان کے یوم شہادت کی یادگار قایم کرنے پر اعتراض نہیں کرسکتا لیکن اے حضرت امام حسینؑ کے فدائیو! ہمارا کام صرف ایک ماتمی جلوس نکالنا یا ایک تعزیتی مجلس کرنے ہی پر ختم نہیں ہوتا۔ علیؑ اور ان کی اولاد کی شہادت پر آنسو بہانا اچھا ہے لیکن ذرا اس سے آگے قدم بڑھائیے اور ان کے اُسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی کوشش کیجیئے۔ جنگ بدر و احد میں، خیبر و کربلا کی لڑائیوں میں، یہودیوں کے باغوں میں اور مساجد کے لیکچروں میں وہ لوگوں کو پکار پکار کر درس عمل دے رہے تھے۔ جب خاموشی ظلم کی جراتوں کو بڑھانے کے سوا اور کوئی فایدہ نہ دے تو تمہارا صرف یہی

ایک فرض رہ جاتا ہے کہ اپنی تعداد کا خیال نہ کرو اور میدان میں اُتر پڑو۔ تم دنیا میں بے کاروں کی تعداد میں اضافہ نہ کرنا۔ تم مذہبی یا قومی خدمت کے بھیس میں لوگوں کی جیبوں پر بار نہ ہونا۔ تم چندوں اور مہذب خیراتوں کے پیسے سے پیٹ نہ بھرنا۔

میں حضرات کو سیدھی راہ پر لگانے کی خاطر ایک سوال کرتا ہوں وہ یہ کہ جب ہم قنبرؓ سلمان فارسیؓ حبیب ابن مظاہرؓ، عمار یاسرؓ جونؓ اور مسلم بن عوسجہؓ کے نام سنتے ہیں کیا ہمارے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو دنیا کے زبردست انسانوں کی صف میں شامل کر دیا؟ کیا سعی و کوشش ہم کو اس صف میں نہیں پہنچا سکتی؟ آخر وہ کونسی خامی ہے جو ہم کو ہمارے اسلاف کے درجے تک پہنچنے سے روک رہی ہے؟ میں مانتا ہوں کہ ہم حسنؑ اور حسینؑ نہیں بن سکتے۔ ہم عونؑ اور محمدؑ کی برابری نہیں کر سکتے لیکن ان اصحاب کے درجے ہم کیوں حاصل نہیں کر سکتے۔ جن پر امام آخر الزمانؑ جیسا انسان سلام بھیج رہا ہے۔ اگر اتنا دور بھی نہ جائیں۔ تو ہمعصر برگزیدہ ہستیوں میر علی ہمدانیؒ میر شمس الدین عراقیؒ اور شیخ نور الدین ولیؒ پر نظر ڈالئے۔ اُن میں وہ کونسی خوبیاں تھیں جن سے انہوں نے اہل دنیا کو اپنا فریفتہ بنا دیا وہ کارہائے نمایاں کر کے دکھائے جن سے ہماری عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جب امام زمانؑ کے لئے بروایتے تین سو تیرہ مخلص اصحاب میسر ہو سکتے ہیں۔ تو ہماری راہ میں کونسی رکاوٹ حائل ہے؟ کیا میں یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ صاحب العصرؑ کے غیبت صغریٰ کا باعث اگر

مخالف بنے ہیں۔ تو غیبت کبرےٰ کی وجہ ہماری کمزوریاں ہیں۔ اور ان کے ظہور کے سامان پیدا کرنا ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ دوستو ترقی کے دروازے بند نہیں ہیں۔ ہاں یہ ہے ہم نے ہمت ہار دی ہے عمل سے منہ موڑ لیا ہے تو ترقیاں بھی ہمارا ساتھ چھوڑ گئیں۔

اے شیعو! کیا تم اہل بیت کے زبانی طرفدار ہو۔ تمہاری محبت مجالس کے کاموں تک ہی محدود ہے؟ کیا کشمیر کے شیعوں کے واسطے اس سے بھی بدتر زمانہ آئے گا؟ اٹھو اور بیدار ہو جاؤ اور اپنے ہمعصر نام نہاد رہنماؤں کی زنجیریں توڑ ڈالو۔ اور حقیقی اسلام کی روشنی میں اپنے ہم قوم بھائیوں کے ساتھ دوش بدوش زمانہ کی چیرہ دستیوں کے خلاف صف آرا ہو جاؤ۔ ورنہ یاد رکھنا۔ روز محشر میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان۔

شیعہ خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ نکل آئی سحر سرگرم تقاضا تو بھی ہو

شیعہ فیڈریشن معرض التوا میں اور اسکے وجوہات

اخبارات میں میرے اس غیر متوقع اعلان سے لوگوں میں ایک عجیب و غریب سنسنی پھیلی۔ اور معزز رفقا کار کو بھی حیرت ہوئی۔ اس دن سے لگاتار دوستوں کا میرے پاس تانتا بندھا رہا جو مجھے اس کارروائی پر حق بجانب نہیں ٹھہراتے اور از سر نو میدان میں آنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ابھی فیڈریشن کے ختم کرنے کے ان چند وجوہ پر جن کا تذکرہ نیچے آئیگا غور ہی کر رہا تھا

تھا کہ جناب آغا صاحب نے امام بارہ بڈگام میں ایک خصوصی اجلاس طلب کیا۔ اور کرسی صدارت پر رونق افروز ہو کر ایسے غیر ذمہ دار انسانوں کو استعمال کیا جو فیڈریشن میں لیڈری کی آرزو لیکر شامل ہوئے تھے اور فیڈریشن کی آڑ لیکر مفاد خصوصی حاصل کرنے کے خواہشمند تھے جس میں کہ وہ ناکام رہے بہر حال اُنہی حضرات کے ذریعہ سے نفرت کرائی گئی اور غیر مہذب الفاظ استعمال کئے گئے مجھے اس کا افسوس نہ ہوتا اگر یہ حرکت اس صاحب ممدوح کی طرف سے سرزد نہ ہوتی جس کو میں نے بوقتِ انقلاب ہو ضلع میرہ گنڈ کے تہہ خانہ سے نکال لایا جب کہ وہ اپنے تمام تابعین اور مریدوں کو خداوند کریم کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ حالات خراب ہونے پر اپنے خاص ساتھیوں نے بھی آنجناب کو میرہ گنڈ میں اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ پھر فیڈریشن نے اُس علاقے کی خاطر مجھے وہاں کا ایمرجنسی آفیسر بننے کے لئے مجبور کیا۔ اور چھ مہینہ برف باری کے طوفان میں علاقہ کنڈی کے حد تک دورہ کرتا رہا۔ اسے تو اب تین سال کا عرصہ گذر چکا تھا ممکن ہے بھول گیا ہو۔ لیکن چند روز پیشتر ہی فیڈریشن نے سالہا سال کی افرا تفری کے بعد ایسے قضیہ کے حل کو عملی جامہ پہنایا تھا جس نے شیعان کشمیر کی بیخ کنی کی تھی۔ فرقہ قدیم کی خاموش مخالفت سے تو لوگ یہی اندازہ لگا رہے ہیں کہ انہوں نے حسب دستور فرقہ جدید کو استعمال میں لایا لیکن میرے پاس یہ رائے قائم کرنے کے لئے کافی ثبوت موجود ہے کہ اس فیصلہ سے جو قوم میں انتشار کو قائم رکھنے کے لئے ایک حربہ کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا۔ آقائے موصوف کی ذات اقدس خود بھی بیخ پا ہوئی اور جذبات میں ایسے بہہ گئے کہ نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اور نہ آگے دیکھا نہ پیچھے۔ اپنے چیلے چانٹوں سمیت

ایسی مذموم حرکات کرنے سے بھی دریغ نہ کیا جو ان کے شان کے سراسر خلاف تھے۔ ایسے موقعوں پر مصاحبوں پر بڑا دارومدار ہوتا ہے۔ میں نے کئی بار صاحب ممدوح سے عرض کی تھی کہ کچھ قسم مشیر موجودہ دور میں آپ کے اور قوم کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتے ہیں۔ اب اس واقعہ سے اس کا مکمل طور انکشاف ہوا۔ سچ پوچھئے، انقلاب کے ابتدا میں بھی کچھ قسم دوستوں نے ہی آقائے موصوف کو مطعون کروایا تھا۔ اگر میں فرقہ وارانہ جھنڈے کو بلند رکھنے کا حامی ہوتا۔ تو پھر ایسے اشخاص کیلئے اس دربار میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ بہر کیف میں نے مفصلہ بالا غیر متوقع حوادثات کا جائزہ لیکر محسوس کیا کہ میں ایک پاگل خانہ میں اپنے آپ کو ماخوذ کر کے تضیع اوقات کر رہا ہوں۔ اور فوراً ہی بلا کسی ہچکچاہٹ کے چند اپنے خاص رفقاء کا مشورہ حاصل کر کے فیڈریشن کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ دیگر وجوہات جن پر راقم الحروف ابھی تک غور کر رہا تھا۔ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(۱) رفقائے کار لمبے عرصہ کی جدوجہد کے بعد اب اس قابل نہیں کہ تحریک بہبودی کو جو ابھی تک ابتدائی منازل طے کر رہی ہے مزید مدت کے لئے قایم رکھ سکیں۔ اور ایسے حضرات کا فقدان ہے جو اپنا سارا وقت دیانتداری سے اس فرض کی انجام دہی کے لئے صرف کر کے ایک طرف سے قدامت پسند عناصر کا جو آخری سانس لے رہے ہیں ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ اور دوسری جانب اسلامی طرز پر قوم کی اندرونی اصلاح کریں۔

(۲) جو نازہ دم حضرات فیڈریشن میں کام کرنے کے لئے آئے، لمبی لمبی داستانیں اپنی ہمدردیوں کی جتاتے رہے۔ قوم کی ابتر و پسماندہ حالت پر غم و غصہ کا اظہار کرتے

رہے اپنے کاموں کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہے۔ انجام کار پرزہ راز سے کیا برآمد ہوا، کچھ تو لیڈری کی ہوس سے، کچھ ملازمتوں کی خواہش لیکر بعض روپے پیسے کی لالچ سے اور اکثر اسی سوشل ادارہ کو سیاسیات کی آماجگاہ بنانا چاہتے تھے بہرحال ان کے خطرناک اور شرمناک ارادوں کو دیکھکر ہم ایک عجیب و غریب الجھن میں پھنس گئے اور خاص طور میرے دل و دماغ پر اس کا بہت بُرا اثر پڑا۔ جب لالچی انسانوں کو فیڈریشن سے کوئی ذاتی فائدہ میسر نہ ہوا۔ چند ایک معزز حضرات نے میرے جیب خاص پر بھی ڈاکہ ڈالنے سے گریز نہ کیا۔

(۳) عوام اس قدر مجہول ہیں کہ اپنی مطلب براری کے لئے ایسی منافقانہ سرگرمیوں سے کام لے رہے ہیں کہ ایک صادق القول انسان کو ان پر اعتبار کرنے میں ذرہ بھر شبہ نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات ان کی ہیچ قسم کارروائیوں سے ہمیں خطرناک صورت حالات کا مقابلہ کرنا پڑا۔

(۴) کئی علاقہ جات میں نیشنل کانفرنس کے کارکنوں اور فیڈریشن کے ممبران کے مابین ٹکر ہوئی۔ اس کے چند ایک وجوہات یہ ہیں (۱) فیڈریشن کے ممبران بسبب بے علمی اور ناواقفیت کے اپنے نصب العین کو سمجھنے سے قاصر رہے (۲) نیشنل کانفرنس کے غیر ذمہ وار کارکنوں کو اپنے مفادات خصوصی خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اور اعلیٰ عہدیداروں کے پاس واویلا کرنا شروع کی۔ (۳) ہمارے مخالف عنصر نے شب و روز نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو ہمارے خلاف بدظن کرانے کا کام اپنے ذمہ لیا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اس لئے میں ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے میدان سے ہٹنا چاہتا تھا۔

(۵) راقم الحروف میں یہ کمزوری کہ ہر کس و ناکس پر بلا چوں و چرا اعتماد کرنا عادت میں داخل ہو چکی ہے۔ اس محاذ پر چونکہ ننانوے فیصدی لوگ مجھے ایسے ہی ملتے رہے اس لئے میں اس ذمہ داری کو سنبھالنے میں ناکام رہا۔ مزید برآں اپنے معذ رفتار کار کی طرح میں کلی رشد و مد کے ساتھ کام کرنے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بغیر پر جوش انقلاب کے قوم کی سینکڑوں سالہ فرسودہ گیوں کو نہ بدلا جا سکتا ہے اور نہ ان کے نام نہاد قایدین کو ہٹایا جا سکتا ہے۔ مجھے تو "بھاگ ڈوڑ" کی لیڈری کی ہوس نہیں جو ان نہ ماننے میں تیرا مہمان بن کو جرٹا رہوں۔ مذہبی بنیادوں پر نصب العین آپ کے سامنے ہے قبول ہو تو حتی الامکان خدمت کرنے میں کبھی بخل نہیں کرونگا۔ یہی بہبودی کا ایک صحیح راستہ ہے جسے انجام دینے میں علمائے حضرات ناکام رہے ہیں تو ہم واویلا کرنے پر مجبور ہوئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مفصلہ بالا عذرات سے اب میرے دوستوں کو تسلی ہو جانی چاہیئے اور مزید غور و فکر کو اپنے دل و دماغ میں جگہ نہ دیں۔ قوم کے سرمایہ داروں کا حال بھی تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے کہ ایک پیسہ راہ خدا میں خرچ کرنے سے ان کی جان نکلتی ہے۔ نام کو تو حضرت حسین ع کا فدائی اپنے آپ کو کہتے ہیں۔ لیکن ان کے فرمانے پر عمل نہیں کرتے۔ میدان کربلا میں آخری وقت مسلمانوں کے نام جو پیغام انہوں نے دیا ہے کیا کوئی اسپر عمل کرتا ہے؟ فرماتے ہیں

(۱) اگر آپ کو اس بات پر یقین ہے کہ روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے پھر کیوں اپنا سارا وقت روزی کمانے پر صرف کرتے ہو۔ اور دن کا کچھ حصہ قومی خدمت کے واسطے وقف نہیں کرتے۔

(۲) اگر آپ کو یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ دولت یہیں چھوڑ کر جانا ہے پھر کیوں اسے اکٹھے کرتے جاتے ہو۔

(۳) اگر آپ کو یقین ہے کہ مرنا ضرور ہے پھر در راہِ خدا شہید کیوں نہیں ہوتے۔

مرحوم علامہ اقبال کا یہ شعر ان کے حسب حال ہے

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی   اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو

ایک ترقی پسند دوست کا نظریہ بھی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہمنور آباد میں میرے ایک دوست خواجہ غلام محمد صاحب ٹھیکیدار رہتے ہیں۔ دن رات میں ایک لمحہ بھی کاروبار سے فرصت نہیں اور پھر بھی مزید کام کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔ صاحب ممدوح کے دماغ میں شاید یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے سب غریبوں کی خاطر کیا جا رہا ہے تاکہ انہیں کام مہیا ہو۔ اس لئے قوم کے دیگر محاذوں پر جہاں اس کی اشد ضرورت ہے کام کرنے سے قاصر ہے

فیڈریشن کے بعد

قبل ازیں کہ میں قوم کے نام نہاد رہنماؤں کی کارکردگیوں پر روشنی ڈالوں میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مختلف علاقہ جات کے دورہ سے کیا نتائج برآمد اور تاثرات قائم ہوئے۔ موضع اچھہ گام میں جناب آغا سید محمد صاحب کی رہنمائی سے جو اسلامی طرز زندگی کی چہل پہل دیکھنے میں آئی۔ اس کا داد دیئے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ علاقہ کنڈی میں بھی حالات امید افزا ہیں لیکن کاش علماٗ حضرات

ایک مرکز پر جمع ہو کر مختلف علاقوں کی بہبودی کے فرائض اپنے ذمہ لیتے تو کوئی وجہ مجھے دکھائی نہیں دیتی کہ حالات مستقبل قریب میں کیوں سدھر نہ سکیں مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ فیڈریشن کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ ہی پھر وہی بے ہودہ کارروائیاں عمل میں آنے لگیں جن کا کہ ہم نے دو تین سال سے سدباب کیا تھا۔ میں ان میں سے چند ایک یہاں پر بیان کرتا ہوں۔

(۱) اکیس ماہ رمضان کو علاقہ جڈی بل میں فرقہ قدیم و جدید نے دو الگ الگ جلوس نکالے جو بالترتیب ایک علی پارک جڈی بل اور دوسرا امام باڑہ میں ختم ہوا۔

(۲) عید الفطر پر علاوہ محلہ وار مسجدوں کے سرنگر میں پانچ جگہوں پر نماز عید ادا کی گئی جس کی تفصیل یہ ہے (۱) جناب آغا صاحب صاحب بڈگام نے حسن آباد میں (۲) جناب مولوی صاحب نواکدل نے علی پارک جڈی بل میں (۳) جناب شیخ عبد العلی صاحب نے مسجد ایدو میں (۴) جناب آغا سید احمد صاحب نے بامقبرہ کی مسجد میں (۵) جناب آغا سید نقی صاحب نے چنکرال محلہ کی مسجد میں۔

(۳) چونکہ فرقہ قدیم کی شیعہ ایسوسی ایشن اسم شمس معلوم جسمش معدوم کے عنوان سے بدستور وجود میں ہے۔ اب آغا صاحب بڈگام نے انجمن موسوی کی جگہ "انجمن شرعیہ" کی داغ بیل ڈال دی۔ اس کے اغراض و مقاصد کیا ہیں یہ دیکھنا باقی ہے۔

(۴) امام باڑہ حسن آباد کی مجلس میں آغا صاحب بڈگام نے اعلان کرایا کہ امام باڑہ جڈی بل میں مجلس اسد کے موقعہ پر مولوی صاحب نواکدل اور فرقہ قدیم کے ہی ذاکرین ہوں گے جس کی تردید میں پاندر یٹھن کی مجلس پر مولوی صاحب نے

اعلان کرایا کہ میری مجلس ہانجویرہ میں ہو گی اور مجلس اسد کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں اور نہ مجھے کوئی علمیت ہے۔ غرض مجلس اسد زیر اہتمام معرکہ دار حضرات عمل میں آئی۔ ذاکریں تو آغا صاحب نے مہیا کئے لیکن علماء میں سے کسی نے بھی شرکت کرنا منظور نہیں کی۔

مندرجہ بالا واقعات سے صاف عیاں ہے کہ فرقہ واری کو کس حد تک ہوا دی جاتی ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایک فرقہ کا ذوالجناح شریف گذرتا ہے تو دوسرے فرقہ کے لوگ عمامہ سر پر رکھے ہوئے تماشہ دیکھیں اور انگشت نمائی کرتے رہیں۔ ہمچو قسم واقعات حسن آباد اور جاڈی بل میں عموماً دیکھنے میں آتے ہیں۔ ناگہانی آفات ہمارے سروں پر گھور رہی ہیں۔ نشانیوں پر نشانیاں خداوند کریم کی جانب سے ہمیں مل رہی ہیں تاکہ ہم سمجھ جائیں اور اپنے بُرے کرتوتوں سے باز آئیں۔ لیکن ہم ہیں کہ اس کی طرف دھیان نہیں دیتے صرف تدابیر کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ اگر ہم اپنے دلوں کو بغور ٹٹولیں بعینہ ہماری حالت ان لوگوں کی سی ہے۔ جو زمانہ سلف میں قہر خدا سے معذب ہو چکے ہیں۔

علامہ شیخ بہاؤ الدین صاحب عاملی اعلی اللہ مقامہ ایران میں ایک بلند پایہ مجتہد گذرے ہیں۔ اس کے والد صاحب نے جب عراق میں اپنے بیٹے کا شہرہ سنا تو ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ جب شام کو صاحب زادے نے نوکر کو پیسے دے کر روٹیاں لانے بازار بھیجا۔ تو والد صاحب اُٹھکر چلے گئے اور کھانے سے انکار کیا۔ فرمایا کہ میں اس غلط فہمی میں اتنا دور دراز سفر طے کر کے آیا تھا کہ میرا بیٹا ایک بلند مرتبہ پر فائز ہے لیکن یہاں تو میں ریاست دیکھ رہا ہوں

اس لئے مزید قیام یہاں پر نہیں کر سکتا۔"

علماء حضرات میرے اس سوال کا جواب دیں کہ قوم جو سالہا سال سے آپ کے زیر تربیت گذرتی آئی ہے تو کیوں ہر شعبہ زندگی میں بجائے ترقی کے تنزل کی طرف جاتی رہی؟ کیا آپ نے کبھی میر بحری اور رسونی وارہ کے غریب عوام کی طرف جو ہمیشہ سے آپ کے جاہ و حشم کے سامان میسر کرتے آئے ہیں دھیان دیا جبکہ وہ یکے بعد دیگرے ناگہانی مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ امداد تو در کنار کبھی ان کی خبر بھی نہیں لے لی اور نہ کوئی حرف ہی زبان سے نکالا۔

ہیہات بخیال خود کلام اللہ مجید کے عالم آپ اور یہ آپ کا لباس لیکن فن ایجادات کے موجد مغربی سائینسدان کس قدر افسوسناک ہے۔

اے میرے بزرگو، بھائیو اور عزیزو! ذرا غور فرمائیے موجودہ رہنما حضرات کی طرز زندگی اور طریق کار کی بنا پر آپ انہیں رئیس تو کہہ سکتے ہیں لیکن عالم نہیں۔ یہ ایک بڑا رتبہ ہے جسے حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

ہم کیا چاہتے ہیں

یوں تو بہی خواہان قوم عرصہ دراز سے وقتاً فوقتاً یہ اغراض و مقاصد قوم اور علماء کے سامنے پیش کرتے آئے ہیں اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ہر بار قدیم و جدید سوال اور امام باڑہ جڈی بل کا قضیہ غصب مباح سدِ راہ بنا ورنہ اگر بیس سال پہلے بھی اسے عملی جامہ پہنا دیا ہوتا تو آپ اس وقت دیکھتے جبکہ عنان حکومت عوام کے ہاتھ آگئی ہماری قوم کس منزل پر ہوتی۔ بہر حال اب تو گذشتہ افراتفری سے سبق حاصل ہو گیا

اگر متحد ہو کر اس وقت بھی ان اغراض و مقاصد کی طرف توجہ دی جائے تو آئندہ انقلابات کے مقابلہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ اغراض و مقاصد ملاحظہ ہوں۔

(۱) علمائے کشمیر کی ایک مرکزیت قائم ہو۔ اور ایک تنظیم کے ذریعہ اپنے اپنے فرائض انجام دیں۔

(۲) ہم اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں اور لوگوں کو تنبیہ کریں کہ آپس میں ہمدردی کرنے کا جذبہ پیدا کریں۔ ہر بات میں حکومت وقت پر تکیہ کئے نہ بیٹھیں بلکہ اس کی مدد کریں۔

(۳) ایسی درسگاہیں قائم کریں جن میں دین و دنیا کی فلاح و بہبودی کا راز مضمر ہو اور بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے چہاردہ معصومینؑ کی طرز زندگی اور اسوۂ حسنہ کا ایسا نصاب مقرر کریں جس سے کہ وہ ہمچو قسم طرز زندگی کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال سکیں۔ قرآن کریم طوطے کی طرح نہیں بلکہ لڑکوں کو اس قابل بنا دیا جائے کہ ہر فرد اس کے معانی اور تفسیر سے واقف ہو۔

(۴) ایک مجلس اوقاف کی داغ بیل ڈالدی جائے جو مطابق شرع شریف متولیوں کے حقوق کا احترام کرتے ہوئے تمام اوقاف کی دیکھ بھال، مرمت وغیرہ اور مجالس کے انتظام کی ذمہ وار ہو۔ نماز پنجگانہ جماعت کا ہر محلہ اور گاؤں میں اور نماز جمعہ و عیدین کا کسی خاص مقام پر انتظام کرایا جائے۔

(۵) رسومات قبیحہ کا اس عنوان سے انسداد ہو کہ قوم کی زر کثیر جو ناجائز طور تلف ہو رہی ہے محفوظ رہے۔

(۶) ایسے ذرائع عمل میں لائے جائیں جن سے یتیموں، بیواؤں، ناکارہ

اور مساکین کی دیکھ بھال اور مناسب انتظام کیا جائے۔

(۷) لڑکیوں کے لئے ایسی درسگاہوں جہاں پر تعلیم کے علاوہ کتائی اور بنائی کا کام بھی سکھایا جائے۔

(۸) ایسے ذرایع اور وسیلوں پر غور کیا جائے جن سے صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ حاصل ہو۔

(۹) بیت المال کا قیام جس سے کہ مفصلہ بالا سارے فرائض انجام دیئے جائیں۔ اور ضرورت پڑنے پر مجتہدین کرام سے اجازت اور ہدایات طلب کئے جائیں۔

(۱۰) ایک انجمن کی داغ بیل ڈالدی جائے جو ان فرائض کو زیر ہدایت "مرکزی ادارہ علمائے عظام" عمل میں للائے اور اس کا الحاق آل انڈیا شیعہ کانفرنس کیا جائے

(۱۱) ایک ثالث بورڈ علما کی نگرانی میں قایم ہو جو ہر گھر کے لین دین اور وراثتی جھگڑوں کا خانہ دار کے فوت ہونیکے ساتھ ہی تصفیہ کیا کرے۔ مفصلہ بالا اغراض و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری ہے کہ مولوی صاحبان دعوتوں کا انتظار کئے بغیر اپنے رہن سہن کو پیشوایان دین کے سانچے میں ڈھالکر گاؤں گاؤں اور محلہ بہ محلہ دورہ کریں۔ مساجد پر شب باش قیام کرنے کو عار نہ سمجھیں تب کہیں ہم اپنے نصب العین میں کامیاب اور فرائض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں بصورت دیگر اگر اب بھی کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ تو میرے پاس جو ڈائیری ہر ایک صاحب کی فرداً فرداً موجود ہے اس کو شایع کر دیا جائیگا۔ ممکن ہے وہ نسخہ کارگر ثابت ہو ورنہ کم از کم عوام کے سامنے ہی ان کے کرتوتوں کا پردہ چاک ہو گا

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

کہ فقر و خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

ریاست جموں و کشمیر میں سیلاب کی تباہ کاریاں

امسال ہند اور پاکستان میں وسیع پیمانوں پر سیلاب آگئے جن کی وجہ سے دونوں ملکوں کو بہت نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ لیکن ہماری نسبت ان کے وسائل بہت وسیع اور حالات قدرے پُرسکون اور خوشگوار ہیں ہم ابھی ایک نازک دور سے گذر رہے ہیں اور حد بندیوں کی وجہ سے ہاتھ پاؤں بھی نہیں پھیلا سکتے ہیں۔

ہری بھری کھیتوں کو دیکھکر یہی خیال تھا کہ امسال ہماری غذائی حالت کافی بہتر ہوگی اور ممکن ہے کہ ہم اس صورت میں باقی ہندوستان کی بھی کچھ امداد کر سکیں گے۔ کچھ فصلیں کاٹی گئی تھیں، کچھ ابھی کھیتوں پر فراہم تھیں اور کچھ ابھی کاٹنا باقی تھیں۔ لوگ عید الضحیٰ کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اچانک موسلا دار بارش برسنا شروع ہوئی۔ اور تیسرے دن ۲۱ ستمبر ۱۹۵۰ء کو ایک خطرناک سیلاب نے شہر سری نگر اور اس کے نواحی علاقوں کو دریائے جہلم کے دائیں بائیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کہا جاتا ہے کہ پچھلے سو سال میں ایسا ہیچو قسم سیلاب دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے وقتوں میں شہر شمالی جانب بسایا جاتا رہا جو میرے خیال میں ایک صحیح اقدام تھا۔ دریائے جہلم کے دائیں بائیں کا علاقہ زراعت و کاشت کاری کے لئے موزون ہے۔

دوران سیلاب راقم الحروف کو جو تجربہ ہوا وہ نہایت حسرتناک ہے اور افسوسناک بھی۔ متعلقہ افسروں اور ملازموں میں سے اکثر اپنی اپنی ذمہ داریوں

کو بطریق احسن انجام دینے سے کوتاہی کرتے رہے اگر انڈین ملٹری بروقت موجود نہ ہوتی تو ملک اور اہل ملک کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ میں مانتا ہوں کہ ناگہانی آفات کو روکنا قوت بشریہ سے باہر ہے لیکن ہمت و استقلال اور تدابیر سے ضرور رحمت خدا بجوش آ کر بندوں کو اپنی حفاظت میں لے لیتی ہے۔ میں نے ہیچ قسم کوئی کاروائی ملاحظہ نہ کی۔ جو نزاکت وقت کے عین مطابق ہوتی۔ صرف جیپوں (Jeep) اور موٹروں کے ہارنوں کی آواز سے سمع خراشی ہوتی رہی۔ مجھے یقین ہے کہ آنریبل وزیر اعظم اور اس کے چند ایک خاص رفقار کار نے حالات کا جائزہ لیا ہوگا۔ اور سیلاب کی مابعد تباہ کاریوں کا مقابلہ کرنے کے واسطے اگر ضرورت محسوس کریں، نظام کو نئے سرے سے ترتیب دی جائے۔ کیونکہ مفلس سیلاب زدوں کی امداد کرنے میں بلند اخلاق محنتی اور دیانتدار آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جہاں مصیبت زدوں کے لئے صبر و استقلال کا امتحان ہے ہمیں بھی واجب ہے کہ حتی الامکان ان کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اس فریضہ انسانیت کا ثبوت دیکر ہی ہم بارگاہ الہی کے قہر سے بچ سکتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ خداوند کریم اپنے لطف و کرم سے اس امتحان میں بھی ہمیں گذرنے کی توفیق بخشے۔

امسال کا محرم

حسب دستور محرم سے چند روز پیشتر بعض اراکین فیڈریشن نے راقم الحروف کو تقاریب ایام عزاداری کی ذمہ داری سنبھالنے کی ترغیب دی لیکن میں ایسا چوں کہ "بھاگ ڈور" کی لیڈری کا خواہشمند نہیں اور نہ ہی ذاکرین کی نمبرداری کی مجھے

ہوس ہے۔ اس لئے ذیل میں دیئے ہوئے چند وجوہات کی بنا پر ان کی اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا:۔

(۱) موجودہ طریقہ میں یہ رسومات عزاداری ان کی تبلیغی نوعیت کی بجائے قوم کی فرسودگیوں کی آئینہ دار ہیں۔ مجلس اوقاف کا تو قیام ابھی تک عمل میں آسکا جو اس کی اصلاح کرتی اور ہمیشہ کے لئے انتظام سنبھال لیتی۔

(۲) صرف ان تقاریب کو ہی قوم کی دیرینہ فرسودگیوں کو درست کرنے کا واحد علاج تصور کرنا محض ایک بھول اور مضحکہ خیز ہی نہیں بلکہ تنگ دلی کا ایک مسلمہ ثبوت ہے۔

(۳) عوامی حکومت کی پالیسی کے مطابق کوئی بھی شخص یا فریق دوسرا جلوس نکال نہیں سکتا ہے جیسا کہ تین سال سے تجربہ ہوا ہے اور قوم کے لئے ایک مشعل راہ کا فرض بھی انجام دیا جا چکا ہے۔ اس لئے اب اس کی سنبھال ونگہداشت کی ذمہ داری تجربہ کی خاطر پھر ان کے سر ڈالنا مسئلہ کا واحد حل ہے

(۴) اس کارروائی سے جہاں ہماری آزاد خیالی اور وریادلی کا ثبوت ملتا وہاں ممکن ہے کہ دونوں فریق کسی سمجھوتہ پہ پہنچ سکیں۔ اور ہمارے نصب العین کی بنیاد قائم ہوتی۔ اگر بفرض محال کوئی خلاف کارروائی ان کی جانب سے عمل میں آتی تو وہ بھی ہمارے حق میں کچھ مفید نہ ہوتی۔ کم از کم عوام کے سامنے ان کے برے کرتوتوں کا مزید پردہ چاک ہوتا۔

مجھے افسوس ہے کہ معزز رفقاء میری اس گذارش کے ساتھ متفق نہ ہوئے اور حسب دستور اپنی کارروائیوں کو جاری رکھا۔ اور میں بمصداق "قہر

درویش برجان درویش" ہو کر گوشۂ عاطفت میں ان کی صحیح کامیابی کے لئے دعا کرتا رہا۔

پس رہے علمبرداران فرقۂ قدیم وجدید، اول الذکر تو پر اسرار طور پر خاموش نظر آتے ہیں۔ لیکن موخر الذکر کے حرکات و سکنات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی بھاگ ڈور پھر سنبھالنے کے خواہشمند ہیں۔

جن کو ناکامی کی پرواہ ہے نہ جان و دل عزیز
کچھ وہی رکھتے ہیں تجھ کو اے غم منزل عزیز (سرشار)

آخر پر میں جناب آغا سید افضل جلالی اور جناب حکیم غلام حسین مخمور کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ وہ اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے بلکہ جزوی حیثیت کی بجائے کلی حیثیت کے حصول سے اقتدار میں اور بھی اضافہ ہوا۔ پس رہے جناب میر صاحب اور محترم ملک صاحب' ان کی نرالی منطق اور فلسفہ بیانی عام فہم نہیں ہوتی کہ اسے آسانی سے سمجھا جا سکے۔ شکر ہے کہ میری سابقہ ناچیز خدمات اس بارہ میں بار آور ثابت ہوئیں۔ میری دعا ہے کہ خداوند کریم آپ کو صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ ساتھ ہی یہ توقع ہے کہ آپ ہیندہ محرم تک توقف کئے بغیر ہی اپنی سرگرمیوں کو مزید زور و شور سے جاری رکھ کر میرے لئے اطمینان کے سامان فراہم کر کے عنداللہ ماجور ہوں گے۔

میرے گوشہ دل میں ہے راز مخفی ۔۔۔ نہاں تا بہ کئے اب عیاں چاہتا ہوں
رہا ہوں ہمیشہ میں خاموش اشرف ۔۔۔ مگر اب کے شور و فغاں چاہتا ہوں

(اشرف)

تحریک کشمیر کی چیدہ چیدہ ہستیاں

کشمیری مسلمانوں کے دلوں میں جو آگ سینکڑوں سالوں سے آہستہ آہستہ سلگتی رہی۔ اس کی شعاعیں وقتاً فوقتاً مہاراجہ پرتاپ سنگھ صاحب سرگباشی کے زمانہ میں بھی نمایاں ہوتی رہیں لیکن ان کے اثرات عوام تک پھیلنے سے قبل ہی کارندان حکومت قائدین کو اپنی گرفت میں لیتے رہے۔ کوئی جلاوطن کسی کی جاگیر ضبط اور کئی حضرات دربار نشینی سے خارج کئے جاتے رہے۔ مہاراجہ ہری سنگھ جی کی تخت نشینی کے چندہی سال بعد ۱۹۳۱ء میں مسلم تعلیم یافتہ طبقہ کے ہاتھوں اس تحریک نے انقلابی صورت اختیار کی۔ اس میں حصہ لینے والے اکثر ملازم پیشہ تھے جو میدان عمل میں کام نہیں کر سکتے تھے۔ چند ایسے اعلیٰ تعلیمیافتہ نوجوانوں نے جو معقول ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے بے کار تھے اس تحریک کی بھاگ ڈور سنبھالی۔ ان کے اسمار گرامی یہ ہیں:- (۱) شیخ محمد عبداللہ صاحب (۲) مولوی عبدالرحیم صاحب (۳) خواجہ غلام نبی صاحب گلکار۔ سب سے پہلے انہوں نے ہر فرقہ ہای اسلام کے اثر ورسوخ والے قدیمی رہنماؤں کو اپنے قابو میں لیکر تحریک کو عوامی نوعیت دلائی۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں (۱) مولوی یوسف شاہ صاحب (۲) مولوی احمداللہ صاحب ہمدانی (۳) آغا سید حسین شاہ صاحب جلالی (۴) مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل (۵) خواجہ سعدالدین صاحب شال (۶) خواجہ شہاب الدین صاحب (۷) خواجہ غلام احمد صاحب عشائی۔ جموں صوبہ سے ان اصحاب نے شمولیت کی (۱) گوہر رحمان صاحب (۲) چوہدری اللہ رکھا ساغر (۳) یعقوب علی صاحب

جوں جوں تحریک زور پکڑتی گئی مسلم کانفرنس کی داغ بیل ڈالی گئی۔ چند حضرات اپنے ذاتی مفادوں کے پیش نظر اس سے علیحدہ ہوئے۔ ریاست کے باقی اطراف و جوانب سے چند اور اس میں شامل ہوئے ان کے اسمائے گرامی بالترتیب ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) جن حضرات نے کانفرنس سے تعلقات منقطع کئے:۔ مولوی عبداللہ صاحب وکیل۔ مولوی یوسف شاہ صاحب۔ خواجہ سعد الدین صاحب شال۔ مولوی عبد الرحیم صاحب۔ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار۔ خواجہ شہاب الدین صاحب۔ خواجہ غلام احمد صاحب عشائی۔ یعقوب علی صاحب۔ گوہر رحمان صاحب

(۲) جو حضرات کانفرنس میں شامل ہوئے ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ چودھری غلام عباس صاحب۔ خواجہ غلام محمد صاحب صادق۔ بخشی غلام محمد صاحب، مرزا محمد افضل بیگ صاحب۔ صوفی محمد اکبر صاحب۔ مولوی محمد سعید صاحب۔ پیر حسام الدین صاحب گیلانی۔ میاں احمد یار خان صاحب۔ چودھری حمید اللہ صاحب۔ راجہ محمد اکبر صاحب۔

نیشنل کانفرنس کے دوران میں چند حضرات الگ ہوئے اور چند نئے صاحبان شامل ہوئے ان کے اسمائے گرامی بالترتیب ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) جو حضرات الگ ہوئے۔ چودھری غلام عباس صاحب۔ چودھری اللہ رکھا صاحب ساغر۔ چودھری حمید اللہ صاحب۔ پیر حسام الدین صاحب گیلانی۔ میاں احمد یار خان صاحب۔

(۲) جو نئے حضرات شامل ہوئے ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:۔ خواجہ

غلام محی الدین صاحب وکیل - پنڈت پریم ناتھ صاحب بزاز - پنڈت جیا لعل
صاحب کلم - پنڈت کشیپ بندھو جی - سردار بدھ سنگھ جی - پنڈت شیام لعل
جی صراف - ڈاکٹر شمبھو ناتھ پشن - خواجہ غلام نبی صاحب وکیل - ماسٹر عبدالعزیز
صاحب - پنڈت پریم ناتھ بزاز نیشنل کانفرنس کی حکومت بننے سے پہلے ہی
الگ ہو چکا تھا - باقی سب حضرات ماسوای خواجہ غلام محی الدین صاحب وکیل
کسی نہ کسی عہدہ پر فائز ہوئے ہیں -

شیعان کشمیر کی چند اہم ہستیاں

دور ماضی سے تعلق رکھنے والے !

(۱) جناب مرزا محمد علی صاحب رئیس نچہ بل - وقت کا رئیس ہونے کے
علاوہ تجارت میں اس نے اپنا نام پیدا کیا تھا - بغیر امتیاز مذہب کے ہندو و مسلم
غربا کو زر افشانی سے مالامال کرتا تھا - اس کے فیض کا شیعہ فرقہ خاص طور بڑا
احسان مند ہے - یادگار حسینی کے قائم کرنے میں اس کا خاص طور پر ہاتھ تھا ابھی
تک اس کے تعمیر کردہ اوقاف کے نشانات موجود ہیں - آخر الامر انقلابات زمانہ سے
تنگ آکر کربلای معلی تشریف لے گئے اور وہیں راہی بقا ہوئے انا للہ و انا الیہ
راجعون - جلالی صاحبان رشتہ کے بموجب مکمل طور ریاست سنبھالنے میں
کامیاب ہوئے -

(۲) جناب علامہ آغا سید مہدی صاحب بڈگام - ایک بلند پایہ عالم ہونے
کے علاوہ فقیرانہ طبیعت کے مالک تھے اتحاد بین المسلمین کے بڑے دلدادہ اور

حامی تھے تبلیغ دین اسلام پر اپنا سارا وقت صرف کر رہے تھے۔ ان کی لکھی ہوئی کتب ہائکمل دستورالعمل ہیں۔ ان کے وقت میں ہی بوجہ تقابل کے فرقہ قدیم و جدید کی داغ بیل پڑگئی ہے جس نے انجام کار شیعان کشمیر کی بیخ کنی کی ہے ان کا ہمیشہ دستور رہا ہے کہ جب بھی سری نگر تشریف لاتے رہے تمام مسلم عبادت گاہوں اور آستانجات کی زیارت کا شرف حاصل کرتے رہے ہیں۔

(۳) جناب مولانا مولوی حیدر علی صاحب نواکدل۔ ایک بلند پایہ عالم ہونے کے علاوہ بحث و مباحثہ اور حاضر جوابی میں یکتائے روزگار تھے۔ شہر سری نگر میں ان کے ہوتے ہوئے شیعان کشمیر کو ایک خاص فخر حاصل رہا ہے۔ فرقہ قدیم کے روح رواں تھے۔ جناب آغا سید مہدی صاحب مرحوم ان کے وقت میں ہی وارد کشمیر ہوئے تھے۔ صاحب ممدوح اکثر علمائے اہل سنت سے اسلامی روایات پر بحث و مباحثہ کرتے تھے۔

(۴) جناب حکیم حبیب اللہ صاحب بابا پورہ۔ دماغی قابلیت کے لحاظ سے ان کو وقت کا فلاسفر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ حاضر جواب، صاف گو اور مجلس آرا ہوتے کے علاوہ ایک قلندرانہ طبیعت کا مالک تھا۔ دیوان حبیب میں اس کے بیش بہا رموز و کنایات اور شعر و سخن درج ہیں۔

(۵) ابوالحامد منشی حسن علی صاحب المترجم مصنف و مورخ ناوہ پورہ۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے کشمیر بھر میں انگریزی تعلیم حاصل کر کے مغربی لباس زیب تن کیا۔ اور بہت دیر علمائے اسلام آپ کو شک کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ مشرقی تعلیم پر بھی ایک خاص عبور حاصل تھا۔ اپنی ساری عمر اہل اسلام کو تعلیم کی طرف ترغیب دے کر

ملاؤں کے حکم کفر کی تردید کرتا رہا۔ کشمیری زبان کا لائحہ عمل۔ صرف و نحو اور لغات مرتب کرنے کے علاوہ کئی کتابوں کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ایک ضخیم کتاب میزان التحقیق کے نام سے اردو اور کشمیری زبان میں لکھی ہے جس کے دو جلد ہیں۔ ایک عیسائیت کی تردید میں ہے اور دوسری میں اسلامی فرقوں پر تبصرہ کیا ہے انجمن اصلاحیہ کی داغ بیل ڈالنے میں اس کا خاص ہاتھ تھا۔ شیعوں کی فرقہ بندی قدیم و جدید کو مٹانے کی بڑی سعی کی ہے۔ اپنے وقت کی تاریخ کشمیر بطریق ڈایری لکھی ہوئی ہے۔ جناب مرزا احمد صاحب قادیانی سے اُس کے دعوے کی تردید میں خط و کتابت کی اور آخری چٹھی کا جواب نہیں ملا۔ اسی ڈائری میں درج ہے۔

(۶) جناب آغا سید حسین صاحب جلالی جڈی بل۔ وقت کا بڑا رئیس اور قوم کا ہمدرد تھا۔ اتحاد بین المسلمین کا دلدادہ ہونے کے علاوہ شیعوں کے ترقی پسند عناصر کا رہبر تھا۔ تحریک کشمیر میں شیعان کشمیر کی طرف سے نمایندہ تھا نیشنل کانفرنس کے پیشرو مسلم کانفرنس کی ٹکٹ پر اسمبلی کا ممبر بھی تھا صحت کی خرابی کے باوجود کئی مہینہ جیل میں بھی گذارے۔ اور نمایندگان میں سے صرف یہی ایک شخص حکومت کی فریب دہی اور عتاب کا پرواہ نہ کرتے ہوئے آخری دم تک اپنے حلف پر قایم رہا۔ اندرونی انتشار اور سیاسی اُلجھنوں کے باعث قوم نے اُس کا ساتھ نہ دیا۔ اس کی وجہ خالفوں کی سرگرمیوں کے علاوہ یہ بھی ہے کہ مرحوم خود رائے تھا۔ اماناتی سکول کو باوجود مشکلات کے خود چلاتا رہا۔ اور ذوالجناح شریف کو دن میں نکالنا اس کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

(۷) جناب حکیم بافرشاہ صاحب منور آباد۔ وقت کا رئیس اور قوم کا ہمدرد ہے وقتاً فوقتاً صاحب ممدوح نے ہماری رہنمائی کر کے قوم کے شرمناک فرقہ بندی کو

مٹانا چاہا لیکن ناکام رہے۔ علے العموم سیاسی سرگرمیوں میں کوئی حصہ نہیں لیتے رہے لیکن بعض اوقات عبدالاغراض اصحاب انہیں غلط فہمیوں میں ڈالتے رہے۔ جناب متقی منصف مزاج اور وسیع القلب ہونے کے علاوہ ایک حکیم حاذق ہیں علوم مشرقی میں بھی کافی دسترس حاصل ہے ہمہ قسم اوصاف سے موصوف ہونے کی وجہ سے اس عمر میں بھی قابل رشک صحت کے مالک ہیں۔ خداوند کریم انہیں درازی عمر عطا کرے۔

دور حاضرہ سے تعلق رکھنے والے

تقریباً تیس سال سے یہ حضرات جن کا تذکرہ ذیل میں آئیگا مختلف صورتوں میں قومی بہبودی کی خاطر عوام اور ان کے رہنماؤں کے سامنے آئے اور ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

تحریک کشمیر کے دوران میں بھی لگاتار بیس سال سے جو بیش بہا قربانیاں دیتے رہے اور بیک وقت دو محاذ پر لڑتے ہوئے جو سنہری کارنامے انجام دئے نہایت قابل تعریف ہیں اور موجودہ کٹھن دور میں فیڈریشن کے تحت جو اہم معاملات انکی ذاتی دلچسپی سے طے پائے کافی تسلی بخش و موجب استعجاب ہیں۔ ان میں سے چند حضرات کا تعارف میں یہاں پر ناظرین سے کرا رہا ہوں۔

(۱) ملک غلام حسین صاحب دڑگھن۔ صاحب ممدوح نے ایک ٹھیکیدار گھرانے میں جنم لیا ہے لیکن خود ایک دوکان ڈال رکھی ہے جو کبھی خالی ہوتی ہے اور کبھی چند ٹوکریوں میں صابون کی ٹکیاں اور چند سیر کوئلے فروخت کے لئے پڑے ہوتے ہیں اور خود کسی نہ کسی صاحب سے قومی معاملات پر بحث و مباحثہ میں لگا ہوتا ہے

تعلیم سے بے بہرہ ہونے کے باوجود مذہب و سیاسیات پر کافی عبور حاصل ہے اور اردو پڑھنے کا سلیقہ بھی خود ہی حاصل کیا ہے۔ اوائل عمر سے ہی قوم کی ناگفتہ بہ حالت پر چار آنسو بہاتا رہا جب کسی جلسہ کے موقع پر تقریر کرنے اٹھتا ہے تو بلند پایہ خیالات کا سمندر اس کے دماغ میں اس عنوان سے امنڈ آتا ہے کہ بسبب کم علمی اُسے سنبھالنے سے قاصر رہ کر تقریر کی عام فہم خصوصیت زائل ہو جاتی ہے۔ بُردباری اور مستقل مزاجی میں اپنا ثانی آپ ہے۔ کئی بار تحریک کشمیر کے دوران میں جیل اور ملتوں کی سزا بھگت چکا ہے بلکہ ایک بار مخالفوں کے ایک سرکردہ گروہ نے مارپیٹ کر ننگا در گور بھی کیا۔ دوران تحریک اپنے حلقہ کا پریذیڈنٹ بھی تھا لیکن جب عوامی حکومت برسر اقتدار آئی۔ قربانیوں کا وقت ختم ہوا۔ اُسے اپنے حق سے محروم کیا گیا۔ بڑا غیرت مند انسان ہے اقتصادی بدحالی کے باوجود کبھی اُف تک نہیں کی۔ اور آجکل بھی وہی اپنی دوکان چلا رہا ہے۔ اور فرقہ شیعہ کی بہبودی تک ہی اپنی سرگرمیوں کو محدود رکھا ہے۔

(۲) حکیم قاسم علی صاحب بابا پورہ۔ یہ جناب ایک منچلا نوجوان ہے اور ابتدا سے ہی تحریک کشمیر میں بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ کئی بار تحریک کشمیر کے سلسلے میں جیل یاترا بھی کی ہے اور مشکل سے مشکل کام میں بھی ہر فن مولی ثابت ہوا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس پر کڑی نظر رکھی جائے ورنہ اپنے مرکز سے پھسلنے کا اندیشہ رہتا ہے میں کسی حد تک اسی قابو کرنے میں کامیاب رہا۔ پھر بھی ایک دو بار میری غفلت کی وجہ سے مخالف عنصر اسے استعمال کرنے میں کامیاب رہا کیونکہ اس کے تعلقات ان سے بڑے گہرے تھے شیعہ فرقہ کے ایک بڑے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے لیکن خاندانی ارتقاء پر اسے کوئی فخر

نہیں ۔ معمولی سے معمولی انسانوں کے ساتھ بھی میل جول رکھنے میں اسے عار نہیں ۔ اور مزدوری کا کوئی کام کرنے سے گریز نہیں کرتا ۔ والدین کی عدم موجودگی کی وجہ سے تحریک کی بدولت اس کا میرے ساتھ زیادہ اُنس رہا ۔ اور میں نے اسے اپنے ماحول میں ہی پالا ہے اور آجکل بھی اگرچہ مجھ سے جُدا ہے لیکن ٹرانسپورٹ کو ہی اپنا شغل بنا رکھا ہے ۔

(۳) حکیم غلام حسین صاحب مخمور بابا پورہ ۔ خاندانیت کے لحاظ سے حکیم قاسم علی کا ہی بھائی ہے ۔ کالج سے فراغت حاصل کر کے حکیم قاسم علی نے ہی مجھ سے اس کا تعارف کرایا ۔ تحریری قابلیت کے لحاظ سے ہماری برادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا آج تک قومی تحریک میں اخبار ہمدرد ۔ اخبار ذوالفقار کے علاوہ سارا تحریری کام انجام دیتا رہا ہے ۔ اکبر جنسپی دور میں سرکاری طور پر میرا سیکرٹری ہونے کے علاوہ شیعہ فیڈریشن میں جنرل سیکرٹری کے عہدہ پر فائز تھا ۔

صاحب ممدوح متحمل مزاج اور وسیع التقلیب ہونے کے علاوہ ایک قابل دماغ کا مالک ہے ۔ ایک خاموش طبیعت ہونے کی وجہ سے ملازموں کے ساتھ اس کا چنداں میل جول نہیں اور نہ بڑے عہدہ کا متمنی ہے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کا تخلص اسم با مسمےٰ ہے جس کی وجہ سے اسے ہمیشہ حد سے زیادہ مشکلات کا سامنا رہا ۔

(۴) آغا سید افضل صاحب جلالی جڈی بل ۔ شیعان کشمیر کے ایک اعلےٰ خاندان کا چشم و چراغ ہے ۔ تحریک کشمیر میں ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے کام کرتا آیا ہے ایک آزاد خیال ملنسار نوجوان ہے اور منصفانہ طبیعت کا مالک ہے غریبوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک روا رکھنے کے علاوہ دوستوں اور دشمنوں میں تمیز نہیں کرتا ۔ لیکن

تند مزاجی اس کو اپنے خاندان سے ورثہ میں ملی ہے جس کی وجہ سے اکثر بار غصہ میں آکر غلط کاریوں کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔ شیعہ فیڈریشن میں فینانشل سیکرٹری کے عہدہ پر فائز تھا اور خاص طور پر بڑے اہم کام انجام دیتا رہا۔ ابھی تک اپنے آبائی پیشہ زمینداری پر بسر اوقات کر رہا ہے۔

(۵) خواجہ محمد میر صاحب چنکرال محلہ۔ تحریک کشمیر کے سلسلہ میں تو یہ ہمارا اہم خیال تھا لیکن شیعہ فرقہ کے اندرونی معاملات میں اس کی ہمیشہ ہمارے ساتھ ٹکر رہی لیکن شکر بحضور خداوند کریم کہ یہ زیور تعلیم سے آراستہ نہیں اس کی وجہ سے یہ عاجز ہے ورنہ معلوم نہیں ہمیں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ شیعہ فیڈریشن کے دوران تو کوئی اختلاف نہیں رہا۔ اور اس نے اہم کام سر انجام دئے۔

صداقت پر مٹنے والا انسان ہے اور گمنام حیثیت سے کام کرنا پسند کرتا ہے داعی قابلیت اور حاضر جوابی سے مد مقابل کو خاموش کراتا ہے۔ ابتدا سے کشمیری ٹوپیوں کی خرید و فروخت اس کا مشغلہ ہے جس پر اب بھی بدستور قائم ہے۔

(۶) خواجہ غلام محمد صاحب ٹھیکیدار جڈی بل۔ یہاں اس کا والد صاحب فرقہ جدید کا سرگرم رکن ہے لیکن یہ اس سے بالکل متضاد فرقہ دارانہ آلائشوں سے بالکل پاک دامن ہے۔ تحریک کشمیر کے علاوہ شیعہ فیڈریشن میں جو بھی کام اس کے ذمہ رکھا گیا بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا رہا۔ لیکن مالی قربانی میں پیچھے ہٹ کر گئے اور دفتر کا دیہ بھی اثر انداز ہوتا رہا۔ اس کا آبائی پیشہ ٹھیکیداری ہے لیکن اسمیں صاحب ممدوح بہہ نہیں جاتا ہے صرف اپنے گزارہ کے لئے ہی وہ مصروف ہیں کام دے رہا ہے۔

(۷) سید حسین شاہ صاحب مدنی نادہ پورہ۔ اس میں زبردست قومی تڑپ ہے ذاتی کام اور مفاد کو قوم پر قربان کرتا رہا ہے اور کسی معمولی سے معمولی اور مشکل سے مشکل ترین کام کو کرنے سے بھی کبھی دریغ نہیں کرتا۔ اکثر بار اس کے خانگی حالات بھی درہم برہم ہوئے لیکن اس نے کبھی پرواہ نہ کی۔ شیعہ فیڈریشن میں یہ اہم کام انجام دیتا رہا۔ دوکانداری اس کا مشغلہ ہے جس پر بدستور ابھی قائم ہے۔

(۸) مرزا قاسم بیگ صاحب چنکرال محلہ۔ صاحب موصوف قلب کا بڑا صاف ہے اور نئی روشنی کا دلدادہ۔ فرقہ داری کو پسند تو نہیں کرتا لیکن فرقہ جدید سے اسے ایک خاص لگاؤ ہونے کی وجہ سے انہیں راہ راست پر دیکھنے کا متمنی ہے بلکہ ان کو اس بلند مرتبہ پر پہنچنے میں بڑی سے بڑی قربانی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ مجلس آرائی میں ایک خاص مہارت اسے حاصل ہے۔

تحریک کشمیر اور شیعہ فیڈریشن میں اس نے بڑے اہم کام سرانجام دئے اس کا آبائی پیشہ تو تجارت تھا لیکن خود ٹھیکیداری کا کام شروع کر رکھا ہے اور اسے حسن عنوان سے سرانجام دے رہا ہے کہ ہر لمحہ اسے اطمینان کلی حاصل ہوتا ہے۔

(۹) محمد اکبر خان صاحب درگجن۔ یہ صاحب قومی کاموں میں ابتدا سے ہی پیش پیش رہا ہے اور ترقی پسند عناصر کا ہمیشہ ساتھ دیتا رہا۔ بڑا سمجھدار اور گفتگو میں ایک خاص فن کا ماہر ہونے کی وجہ سے اس کی مجلس آرائی بڑی دلچسپ ہے۔ تحریک کشمیر کے دوران میں سرکاری ملازمت سے الگ کیا گیا تھا اور عوامی راج برسر اقتدار آنے پر پھر بحال ہوا۔

ایمرجنسی دور سے لیکر آج تک کئی اور حضرات نے بھی قوم کے لئے بڑی قابل قدر

خدمات انجام دیئے لیکن بخوف طوالت یہاں پر فرداً فرداً درج کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے راقم الحروف ان سے معذرت کا خواہاں ہے اور ان کی احسن کارکردگیوں کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

بالغ النظر حضرات سے میری گذارش

معزز ناظرین مندرجہ بالا اقتباسات میں راقم الحروف کا زیادہ تر رجحان شیعان کشمیر کی جانب مرکوز پائیں گے جس سے میں تسلیم کرتے ہوئے آپ کو اپنے عندیہ سے آگاہ کرنا مناسب خیال کرتا ہوں تاکہ میرے نظریہ میں کم ظرفی کا حرف نہ آسکے۔

حضرات! شیعان کشمیر کی ناگفتہ بہ حالت کے اثرات نہ صرف اپنے فرقہ تک ہی محدود ہیں بلکہ ملک و ملت کے لئے ایک بدنما دھبہ ہیں۔ اور یہ فرقہ برادران اسلام کے لئے بالخصوص اور اہل ملک کے لئے بالعموم ایک عضو معطل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ دیگر فرقوں کے پاس چونکہ ایسے رہنماؤں کی کمی نہیں جو ان کی اندرونی اصلاح اس حد تک پورا کر سکیں جس سے کہ وہ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ چل کر ترقی پسند عناصر کے ہم پلہ بن سکیں لیکن کشمیر کے شیعوں کا بھاوا آدم ہی نرالا ہے۔ ان کے نام نہاد رہنما نہ ان غریبوں کو قائدین ملک و ملت کی رہنمائی میں اپنے ہم قوم و ہموطن بھائیوں کے دوش بدوش چلنے دیتے اور نہ ہی ان کی بھلائی کا کوئی نسخہ خود عمل میں لاتے ہیں۔ اور اگر اپنے فرقہ میں سے کچھ زمانہ شناس و جانثار حضرات میدان میں آتے ہیں۔ تو ان کے خلاف

اندرونی انتشار کو عارضی طور پر خیر باد کہہ کر سدِ سکندری کی طرح حائل ہوتے ہیں عوام میں تو سمجھ ہے ہی نہیں۔ ان حضرات نے ہمالیہ سالوں سے مذہبی آڑ لے کر ان بیچاروں کو ایک طرف سے دنیوی تعلیم سے روکا ہے اور دوسری جانب دینی تعلیم کا بھی کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس قدر جاہل ہیں کہ ان نام نہاد رہنماؤں کو ہی قضاوقدر کا مالک اور خیر دارین کا ضامن سمجھ رہے ہیں۔ راقم الحروف چونکہ ہر قسم خدمات انجام دینے کا عادی بن چکا ہے۔ اور اس کے بغیر اطمینان قلب بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے وطن اور قوم کی بہبودی کی خاطر اس محاذ پر اپنی ناچیز خدمات کو علاوہ ضرورت خاص کے اس لئے بھی پیش کیا کہ میرا اثر و رسوخ یہاں پہ زیادہ مفید نتائج برآمد کر سکتا ہے ورنہ راقم الحروف اسلامی فرقوں کو مختلف ناموں سے پکارنا اسلام کی توہین سمجھتا ہے۔ علماؤں نے ایسی حد بندیاں قائم کر رکھی ہیں جو اب آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہیں۔ ورنہ فرقہ اثنا عشریہ کے عقیدہ کے مطابق اہل سنت برادری کے ساتھ نماز میں ہم جماعت ہونا موجب ثواب ہے اور پیش نماز کی داڑھیوں پہ کوئی پابندی بھی نہیں۔

جو کچھ میں نے دنیا کے موجودہ دور اور آیندہ خوشگوار نتائج کے متعلق عرض کیا ہے یہ میرا نہیں بلکہ ہمارے رہبروں کا بیان کردہ ہے میں جانتا ہوں کہ اہل الرائے اور سیاستدان حضرات اسے میری خوش فہمیوں اور ہوائی قلعوں سے زیادہ وقعت نہیں دیں گے۔ لیکن وقت ہی خود اس کا فیصلہ کرے گا۔

زعمائے کانفرنس و ارکان حکومت سے جو کچھ بھی عرضداشت کی جاچکی ہے قطعی نہیں ممکن ہے صحیح نہ ہو یا مجھے کوئی غلط فہمی ہو۔ لیکن راقم الحروف کو اپنے ذمہ سے سبکدوش ہونے کے لیئے صرف ان کی توجہ اس طرف مبذول کرانا مقصود تھا اب میں بری الذمہ ہوں اس پر غور و خوض یا عملدر آمد کرنا ان کا کام ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ جو کچھ نظریہ میں نے عوام الناس کے سامنے پیش کیا ہے اس پر عملی کاروائیوں کی وجہ سے راقم الحروف پر اعتراض یا کسی قسم کی جانبداری کا شائبہ تک محسوس نہ کیا جائے اور لیڈران قوم جو کچھ وعدے سترہ سال سے عوام کے ساتھ کرتے آئے مجھے کوئی وجہ نہ کھائی نہیں دیتی کہ وہ عمل میں کیوں نہ لائے جائیں یا ان کی خلاف ورزی کیوں ہو۔

موجودہ وقت میں راقم الحروف کو ایسا نظر آرہا ہے کہ استحصالی عناصر اور سرمایہ دار ختم نہیں ہوتے صرف طبقاتی رد و بدل عمل میں آرہا ہے میرا جہانتک تک اندازہ ہے کہ غریب عوام پیشرو عناصر سے خدمات کے صلے میں کچھ نہ کچھ فائدہ اخذ کر ہی لیتے تھے کیونکہ وہ کئی پشتوں سے برسر اقتدار ہونے کی وجہ سے قدرے فراخدل ہونے کے علاوہ آرام و آسائش کی زندگی گزارنے کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ ان کے ہر شعبہ میں غربا حاوی تھے لیکن موجودہ حضرات چونکہ ابھی نئے نئے اس دور زندگی میں داخل ہو چکے ہیں تنگ نظر ہونے کے علاوہ اس کے لطف اور استعمال سے بالکل بے خبر ہیں اس لیئے یہ اس حد تک دولت سمیٹے ہوئے ہیں کہ ایک بار روپیہ ان کے جیبوں میں داخل ہونا شرط ہے پھر باہر نکالنے

کا نام نہیں لیتے۔ سب کچھ کام اپنے ہاتھوں سے کرنے کے عادی ہیں۔ کسی کو اس کا فایدہ اُٹھانے کا موقع نہیں ملتا۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ملک میں جو روپیوں کا گردش تھا بالکل بند ہوگیا ہے اور غریب عوام کو انواع و اقسام مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حکومت کو اس مسئلہ کی طرف دھیان دینا سب سے اہم فرض ہے ہمچو قسم عناصر اور ان کے گروہ اینگو امریکن ہلاک کیے مہرے ہی کمیونزم کے پھیلاؤ کے ذمہ دار ہیں۔ سوویٹ یونین کے خلاف صف آرا ہو رہے ہیں ظاہری فتح کسی کی بھی ہو لیکن نتیجہ وہی ہوگا جس کا ذکر میں اس کتاب کے آغاز میں کر چکا ہوں مسلم ممالک تو اس وقت اسلام اسلام پکار رہے ہیں لیکن دائرہ عمل کو کلی حیثیت نہیں دیتے۔ مرکزیت قائم کریں تو اس مادیات کی دو میں صف اول کی جگہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ورنہ یہ رنگ رنگ کی بولیاں مزید اُلجھنوں کا باعث بنتی رہیں گی۔

شیعہ فرقہ کے مولوی صاحبان و دیگر اکابرین سے بھی میری التماس ہے کہ میری مندرج کردہ صاف گوئی پر جو محض غریب عوام کی کس مپرسی حالت اور خوشنودی خدا پر مبنی ہے اپنے دل میں غم و غصہ کو جگہ نہ دیں بلکہ فوری طور مسایل پر غور و خوض کرنے کی خاطر ایک ایسا اجتماع جو سب خیالات کے انسانوں پر مشتمل ہو طلب کرنے کا انتظام کریں۔ اور تنگ نظریوں و رنجیدگیوں کو جن کا کہ اب وقت نہیں خیرباد کہکر اہم مسایل کو عملی جامہ پہنانے کے انتظامات مکمل کیے جائیں اُسی میں خیر دارین کا راز مضمر ہے۔ یقین جانیے کہ یہ آپ کی رعیت کی دیوار اب زیادہ دیر کھڑی نہیں رہ سکتی۔ احتیاط نہ کروگے تو خاندانی